امر بالمعروف
اور
نہی عن المنکر
www.KitaboSunnat.com
یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

# امر بالمعروف
# اور
# نہی عن المنکر



یکے از مطبوعات

## تنظیمِ اسلامی پاکستان

مرکزی دفتر: ٦٧۔ اے علامہ اقبال روڈ۔ گڑھی شاہو لاہور

فون ۔ ۳۰۵۱۱۰

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن

# امر بالمعروف
# اور
# نہی عن المنکر



یکے از مطبوعات

## تنظیم اسلامی پاکستان

مرکزی دفتر: ۶۷-اے علامہ اقبال روڈ۔ گڑھی شاہو لاہور
فون ۳۰۵۱۱۰

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن

نام کتاب ———— نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

باراوّل (مئی ۱۹۹۰ء) ———— ۱۰۰۰

باردوم (ستمبر ۱۹۹۰ء) ———— ۱۰۰۰۰

ناشر ———— ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مطبع ———— مکتبہ جدید پریس۔ ریلوے روڈ لاہور

مقامِ اشاعت ———— ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: ۸۵۶۰۰۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اُمّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس

## قرآنِ حکیم کی دو[2] اصطلاحات کے حوالے سے

امّت مسلمہ کی غرض تاسیس اور اس کے مقصد وجود کے بیان میں قرآن مجید نے دو[2] اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان میں سے ایک اصطلاح ذرا فلسفیانہ ہے اور اسے سمجھنے کیلئے بڑے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ دوسری اصطلاح نسبتاً عام فہم اور آسان ہے۔ قرآنِ حکیم چونکہ عوام اور خواص سب کے لیے کتابِ ہدایت ہے، اس میں فلاسفہ و حکماء کے لیے بھی رہنمائی ہے اور عوام الناس کے لیے رہنمائی کا فریضہ بھی اسی کتاب عزیز کو سرانجام دینا ہے، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ اس میں اگرچہ بڑے گہرے علمی مضامین اور فلسفیانہ مباحث بھی ہیں، لیکن یہ اپنے اصل مقصد کو بڑے عام فہم انداز اور بڑی سلیس زبان میں بھی ادا کر دیتا ہے۔ تاکہ ایک طرف اہلِ خرد کے لیے سامانِ غور و فکر مہیا ہو جائے تو دوسری طرف عوام بھی اس کی ہدایت و رہنمائی سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ امّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کے لیے بھی اس میں دو[2] اصطلاحات بیان فرمائی گئیں۔ (۱) شہادت علی الناس (۲) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

ان دو[2] اصطلاحات پر غور کرنے سے پہلے امّت کی غرضِ تاسیس کی اہمیت کو سمجھئے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی بھی اجتماعی ہیئت تشکیل دی جائے، خواہ وہ ایک چھوٹے سے چھوٹا ادارہ ہی کیوں نہ ہو، تو سب سے پہلے اس کے اغراض و مقاصد اور اہداف معین کیے جاتے ہیں۔ تو یہ جو اتنی بڑی امت تشکیل دی گئی تو اس کی غرضِ تاسیس کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ امّت کے تو معنی ہی ہم مقصد لوگوں کی اجتماعیت کے ہیں۔ عربی زبان میں "اَمَّ ۔ یَؤُمُّ" کے معنی ہیں قصد کرنا، ارادہ کرنا۔ قرآن مجید میں حُجّاج کرام کو "آمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ"[1] کہا گیا ہے جو اطراف و اکنافِ عالم سے بیت اللہ شریف کا قصد کر کے چلتے ہیں۔ "اَمَّ ۔ یَؤُمُّ"

---

[1] المائدہ: ۲

ہی سے لفظ "أُمّة" بنا ہے، یعنی ایسے لوگوں پر مشتمل اجتماعیت جن کا قصد ایک ہے، مقصد ایک ہے، ہدف ایک ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میں اکثر نے اِس امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غرضِ تاسیس اور اس کے مقصدِ وجود کے بارے میں کبھی غور بھی نہیں کیا۔ اس امت کی رکنیت ہمیں پیدائشی طور پر ملی ہے۔ ہم مسلمان اس لیے بن گئے ہیں کہ ہم اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے ہاں پیدا ہو گئے اور اسلام کی یہ دولت ہمیں بغیر کسی ایثار و قربانی اور محنت و مشقت کے اور بغیر کوئی نقصان برداشت کیے ہوئے میسّر آ گئی۔ لہٰذا ہم نے اکثر و بیشتر کبھی یہ غور کرنے کی تکلیف تک نہیں کی کہ اس مسلمان ہونے کے تقاضے کیا ہیں! اس امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کیا ہے! یہ امت آخر کیوں برپا کی گئی ہے! تو آئیے آج امت کی اس غرضِ تاسیس کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھیے!

جیسا کہ ابھی بتایا گیا ہے، قرآنِ حکیم نے اس کے لیے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں:

## ا۔ شہادت علی الناس

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (البقرة: ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت (بہترین امت) بنایا، تاکہ تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر ___ اور رسول گواہ ہو جائیں تم پر۔"

قرآن حکیم کا ایک اصول میں نے بارہا بیان کیا ہے اور میرے دروس کی محافل میں شرکت کرنے والے حضرات نے مجھ سے کئی مرتبہ یہ بات سنی ہو گی کہ مطالعۂ قرآن اور اس پر غور و فکر کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ یہ مضمون جو سورۃ البقرۃ میں دوسرے پارے کے آغاز میں آیا ہے، سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے، جہاں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا: وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرو، محنت اور جدّوجہد کرو، جیسا کہ اس کی جدّوجہد کا حق ہے۔ هُوَ اجْتَبٰكُمْ: اس نے تمہیں چُن لیا ہے، پسند کر لیا ہے لیکن یہ چناؤ، یہ انتخاب کس لیے ہوا؟

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

"تاکہ رسول گواہ بن جائیں تم پر، اور تم گواہ بن جاؤ پوری نوعِ انسانی پر!"

دونوں مقامات پر مضمون ایک ہی ہے، صرف ترتیب کا فرق ہے۔ سورۃ البقرہ میں امت کا ذکر پہلے ہے اور رسول اللہ کا ذکر بعد میں ــــــــ جبکہ سورۃ الحج میں رسول اللہ کا ذکر پہلے ہے اور امت کا بعد میں۔

"شہادت علی الناس" اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس پر "اسلام کا فلسفۂ شہادت" کے عنوان سے میرے کیسٹ موجود ہیں۔ اس "شہادت علی الناس" کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ شہادت کسی کے حق میں ہوتی ہے اور کسی کے خلاف۔ آپ اگر کسی مقدمے میں بطور گواہ پیش ہوتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ آپ کی گواہی ایک فریق کے حق میں جاتی ہے اور دوسرے کے خلاف جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں بھی گواہی کے یہ دونوں پہلو آتے ہیں۔ کسی کے حق میں گواہی کو "لِ" کے ساتھ اور کسی کے خلاف گواہی کو "علیٰ" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ یعنی اے ایمان والو! اللہ کے حق میں گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اپنی زبان اور اپنے عمل سے اللہ کی توحید اور اس کے دین کے گواہ بن جاؤ! تمہارا ہر عمل گواہی دے رہا ہو کہ تم اللہ کے ماننے والے ہو، تمہارا طرزِ عمل پکار پکار کر لوگوں کو بتا رہا ہو کہ یہ محمدؐ عربی کے نام لیوا ہیں۔ یہ گواہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے، جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎ دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی! لیکن یہ گواہی کسی کے خلاف بھی پڑ رہی ہے۔ آپ نے جب دنیا کے سامنے دین کی حقانیت اور محمدؐ رسول اللہ کی صداقت کی گواہی دے دی تو اب ان کے اوپر ایک گواہی قائم ہو گئی۔ اب قیامت کے دن وہ یہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے کہ اے اللہ ہمارے سامنے تو تیرا دین آیا ہی نہیں، ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ اللہ کیا چاہتا ہے، ہمیں تو کسی نے نہ تیرے ساتھ متعارف کرایا، نہ تیرے رسولؐ کے ساتھ اور نہ تیرے کلام کے ساتھ! یہ ہے لوگوں پر گواہی کا قائم ہو جانا جو قیامت کے دن ان کے خلاف پڑے گی۔ اس لیے کہ اگر لاعلمی ہو تو پھر بھی کوئی عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ اے اللہ مجھے معلوم نہیں تھا ــــــــ اگرچہ آپ کو معلوم

ہے کہ دنیا میں تو عدالت کا اصول یہ ہے کہ 'IGNORANCE OF LAW IS NO EXCUSE'
آپ کو اگر قانون معلوم نہیں ہے تو آپ عذر نہیں پیش کر سکتے۔ قانون چاہے آپ کے علم میں
ہو، چاہے نہ ہو، آپ قانون کی گرفت میں آئیں گے ــــــ لیکن عدالتِ اُخروی میں معاملہ یہ
نہیں ہے۔ وہاں لاعلمی بھی ایک عذر کے درجے میں آجائے گی۔ لہٰذا اللہ رسولوں کو بھیجتا رہا تاکہ
لوگ لاعلمی کا عذر پیش نہ کر سکیں۔ رسول اپنے قول و عمل اور کردار سے گواہی دے دیں کہ یہ ہے
دینِ حق، یہ ہے اللہ کا دیا ہوا راستہ جس پر میں چل کر دکھا رہا ہوں۔ یہ راستہ ناقابلِ عمل بھی نہیں
ہے، دیکھو میں تم جیسا انسان ہوں، مجھے بھی پیٹ لگا ہوا ہے، میری بھی احتیاجات ہیں، میرے
بھی بال بچے ہیں، زندگی کے تمام تقاضے میرے ساتھ بھی ہیں، پھر بھی میں اللہ کا بندہ بن کر
زندگی گزار رہا ہوں تو اس طرح سے لوگوں پر حجت قائم ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت انبیاء و رسل کے
مقصدِ بعثت کے ضمن میں قرآن حکیم کی اہم ترین اصطلاح ہے۔

چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم ہو رہا تھا، لہٰذا یہ ذمہ داری اجتماعی طور
پر امت کے سپرد کر دی گئی۔ اب انہیں اپنے قول و عمل سے انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ گواہی
دینی ہے ــــــ اور یہی امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ تاسیس ہے، بفحوائے الفاظ قرآنی:
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں لوگوں سے
گواہی لے لی: اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ "لوگو! میں نے پہنچا دیا؟" اور سوا لاکھ کے مجمع نے بیک زبان
کہا: اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ۔ "ہاں حضور، ہم گواہ ہیں، آپ نے
حقِ رسالت ادا کر دیا، حقِ امانت ادا کر دیا، حقِ نصیحت ادا کر دیا" پھر اللہ کی جناب میں عرض کیا:
اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ "اے اللہ تو بھی گواہ رہ!" اب میری ذمہ داری ختم ہو گئی، میرا فرضِ منصبی
ادا ہو گیا ــــــ پھر لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ "پس اب
پہنچائیں وہ جو موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں ہیں"۔ یعنی اب یہ ذمہ داری میرے کندھوں سے اتر کر
تمہارے کندھوں پر آ گئی ہے۔ اب تمہیں یہ پیغام چہار دانگِ عالم میں پہنچانا ہے، اس لیے کہ
میں صرف تمہارے لیے ہی رسول بن کر نہیں آیا تھا، بلکہ میں تو پوری نوعِ انسانی کے لیے رسول

بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں تو تا قیامِ قیامت اللہ کا رسول ہوں۔ جتنے انسان اس وقت دنیا میں ہیں اور جتنے انسان تا قیامِ قیامت آئیں گے میں اُن سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اب یہ شہادت جو میں نے تم پر دی ہے، تمہیں دینی ہے پوری نوعِ انسانی پر!

بدقسمتی سے ہمارے ہاں لفظ شہادت کے صرف ایک ہی معنی عام ہو گئے، یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ہی شہادت ہے۔ اور شہید کا صرف یہی ایک مفہوم رہ گیا کہ جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا مارا جائے۔ قرآن حکیم 'شاہد' اور 'شہید' کے الفاظ انبیاء و رسل کے لیے استعمال کرتا ہے۔ قرآن کی رُو سے تمام رسول شہید ہیں، حالانکہ رسول اللہ کی راہ میں قتل نہیں ہوئے۔ نبی ضرور قتل ہوتے ہیں، لیکن رسول کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود تمام رسول شہید ہیں۔ سب اللہ کے گواہ ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے عمل سے گواہی دیتے ہوئے بسر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (النساء : ۴۱)

"اُس دن کیا کیفیت ہو گی جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور اے نبیؐ آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان پر!"

جس امت کی طرف جو رسول بھیجے گئے وہ اُس عدالتِ اخروی میں شہادت دیں گے، TESTIFY کریں گے۔ رسول سرکاری گواہ (PROSECUTION WITNESS) کی حیثیت سے کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ تیرا دین اور تیرا پیغام جو مجھ تک آیا تھا میں نے ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ خود ذمہ دار اور مسئول ہیں۔ اور پھر آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے اور اپنی امت کے بارے میں TESTIFY کریں گے کہ اے اللہ میں نے انہیں تیرا دین پہنچا دیا تھا۔ اب اپنے طرزِ عمل کے ذمہ دار اور مسئول یہ خود ہیں۔ پھر امتِ مسلمہ کو کھڑے ہو کر یہی شہادت دینا ہو گی۔ اور اگر نہ دے سکی تو وہ گویا کہ دوسروں سے پہلے مجرم ہو گی۔ دوسروں کو دین کا پیغام پہنچانا اس کے ذمہ تھا، اگر اس نے نہیں پہنچایا تو دوسروں کی نافرمانی اور گمراہی کا وبال بھی اس پر آئے گا۔

## (۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کے لیے قرآنِ حکیم میں آسان تر اصطلاح "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی اختیار کی گئی ہے۔ سورۃ آل عمران میں امت کی غرضِ تاسیس کے لیے یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران آپس میں بہنیں ہیں یعنی یہ دونوں سورتیں ایک جوڑا ہیں۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

"تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

دنیا کی قومیں اپنے لیے زندہ رہتی ہیں، اپنے لیے جدوجہد کرتی ہیں، اپنی ترقی، اپنی عظمت، اپنی سربلندی اور اپنے لیے قوت و سطوت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہیں۔ لیکن اے مسلمانو تمہیں دنیا والوں کے لیے زندہ رہنا ہے۔ جیسے اقبال نے "شکوہ" میں کہا ہے ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے!

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو۔ تمہارا کام کیا ہے؟ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ نیکی کا حکم دو! وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور بدی سے روکو! وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ اور اللہ پر ایمان پختہ رکھو!! یہاں اس بات کو پھر ذہن میں تازہ کیجیے کہ اہم مضمون قرآن حکیم میں کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ اسی سورۂ مبارکہ میں یہ مضمون اس انداز سے آیا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۰۴)

"اور تم میں ایک امت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

ان دو آیات کے مابین ربط ملاحظہ کیجیے۔ پہلی آیت صحابہ کرامؓ کو خطاب کر رہی ہے۔

صحابہ کرامؓ وہ حضرات تھے جن میں سے ایک ایک فرد کو یہ معلوم تھا کہ میرا فرضِ منصبی کیا ہے۔ میں کس لیے امتِ محمدؐ میں شامل ہوا ہوں، بحیثیتِ امتی میری ذمہ داری کیا ہے۔ لہٰذا وہاں مجموعی طور پر امت کو خطاب کیا گیا: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ ... الخ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) تم بہترین امت ہو، بہترین جماعت ہو، پوری انسانی تاریخ کے اندر بہترین گروہ ہو، جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو اُن کی بھلائی اور بہبود کے لیے، ان کی آخرت سنوارنے کے لیے، انہیں حق کی طرف بلانے کے لیے، انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے، انہیں ظلم و ستم کے پنجے سے نجات دلانے کے لیے۔ اور تمہارا تو فرضِ منصبی ہی نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا ہے! لیکن دوسری آیت درحقیقت اُس دَور کے لیے ہے جب امت اپنے فرضِ منصبی کو بھول چکی ہو۔ جیسے مثلاً آج کا دَور ہے۔ آج ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم بھی ایک قوم ہیں جیسے دنیا میں اور قومیں ہیں۔ ہم میں سے ہر فرد کو بھی اسی لیے جینا ہے اور دوڑ بھاگ کرنی ہے جیسے کوئی ہندو، کوئی سکھ اور کوئی پارسی اپنی معاش کے لیے، اپنی اولاد کی پرورش کے لیے، اپنا گھر بنانے، اس کو سجانے اور ساز و سامان جمع کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ فرق بس یہ ہے کہ ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، وہ جانا چاہے تو کسی مندر میں چلا جاتا ہے۔ اور ہم میں بھی نماز پڑھنے والے کتنے رہ گئے ہیں؟ پھر یہ کہ اجتماعی سطح پر جو اُن کے اہداف اور مقاصد ہیں وہی ہمارے مقاصد ہیں۔ ان کا بھی زور چلتا ہے تو وہ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، دوسروں کی زمینیں چھین لیتے ہیں، دوسروں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں، ہمارا بھی داؤ لگتا ہے تو ہم بھی یہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا دورِ زوال کہ امت بھول گئی کہ ہماری غرضِ تاسیس کیا تھی، ہمارے مقاصد کیا تھے، ہمارا نصب العین کیا تھا!

اس دَورِ زوال کے لیے قرآن حکیم یہ رہنمائی دیتا ہے کہ اس امت میں سے کچھ لوگ جو بیدار ہو جائیں، جو ہوش میں آجائیں، جنہیں اپنا مقصدِ وجود یاد آجائے وہ دوسروں کو جگائیں۔ بچوں کے لیے 'ہمدرد' کا جو رسالہ 'نونہال' نکلتا ہے اس میں آپ نے ایک عنوان دیکھا ہو گا "جاگو اور جگاؤ"! مجھے یہ SLOGAN بہت پسند ہے۔ یہ بڑی اچھی اور عام فہم اصطلاح ہے۔ خود جاگو! اور جو جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگائیں، خوابِ غفلت سے بیدار کریں۔ جنہیں یہ ہوش آگیا ہے کہ

میں مسلمان ہوں، یہ میری ذمہ داری ہے، میں تو بحیثیت مجموعی اُس امت کا فرد ہوں جو دنیا والوں کی بھلائی کے لیے برپا کی گئی ہے، میرے ذمے تو بڑا عظیم فریضہ ہے، ایسا فریضہ جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے سپرد کرتا رہا ہے ــــ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ، یہ اب دوسروں کو جگائیں۔ اس طرح جو جاگتے جائیں وہ ایک امت بن جائیں، امت میں ایک چھوٹی امت ــــ جیسے آپ کہتے ہیں 'PARTY WITHIN PARTY' اور 'STATE WITHIN STATE' ایک تو بڑی امت ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمتی اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ کی تعداد میں ہیں، لیکن سوتے ہوتے ہیں۔ کس اعتبار سے سوتے ہیں؟ دنیا کے اعتبار سے سوئے ہوئے نہیں ہیں، ہر شخص اپنی بہتری کے لیے کوشاں ہے، زور لگا رہا ہے، دن رات محنت کر رہا ہے۔ البتہ دین کے اعتبار سے سو گئے ہیں۔ بحیثیتِ امتِ محمدؐ جو ذمہ داری تھی، اس کے اعتبار سے سو گئے ہیں۔ تو جو جاگ جائیں وہ اِن سونے والوں کو جگائیں۔ اور آپس میں مل جل کر اس بڑی امت میں ایک چھوٹی امت بنائیں۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ "تم میں سے ایک امت تو ایسی لازماً ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔" اور اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور پر نوٹ کیجیے: وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ "اور یہ جان لو کہ صرف وہی ہوں گے فلاح پانے والے۔" یہ سوتے ہوتے فلاح نہیں پائیں گے۔ جو جاگ جائیں گے اور دوسروں کو جگائیں گے اور جو اپنے اس دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرضِ منصبی کو ادا کریں گے، صرف وہ ہوں گے فلاح پانے والے۔ آپ صدقِ دل سے دعا کیجیے، اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ اے اللہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما!

# اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر

## لازم و ملزوم ہیں

قرآن حکیم 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کو ایک وحدت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور ان کی حیثیت ایک حیاتیاتی اکائی (ORGANIC WHOLE) کی سی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے اس دَور میں بہت سے انتہائی نیک اور نیک نیت لوگ، جو دین کے لیے حرکت اور جدوجہد بھی کر رہے ہیں، جو اپنے گھروں سے دین کی محنت کیلئے نکلتے ہیں، ایک مغالطے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ مغالطہ یہ ہے کہ صرف نیکی کی تلقین کفایت کرتی ہے، نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ کسی پر تنقید کا کوئی فائدہ نہیں، بھلائی کو پھیلاؤ، بھلائی کی تلقین کرو جب بھلائی پھیلے گی تو بدی خود بخود رفع ہو جائے گی! بعض اعتبارات سے یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ تم روشنی پھیلاؤ، تاریکی خود بخود کافور ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اور دینی اعتبار سے بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں یہ حضرات گرفتار ہیں۔ ان کا مجاہدانہ کردار اور دین کے لیے ان کی محنتیں مسلّم ہیں۔ ان حضرات کے دم قدم سے دین کے نام پر پوری دنیا میں ایک بہت بڑی حرکت موجود ہے۔ ان کے بیس بیس اور پچیس پچیس لاکھ کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی نیک نیتی سے اپنا وقت اور مال خرچ کرتے ہیں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ انہوں نے 'نہی عن المنکر' کا معاملہ معطل کر کے رکھ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ قرآن حکیم کے ۹ مقامات کے حوالے سے اس بات کو سمجھ لیں اور اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں، یہ ایک گاڑی کے دو پہیے یا ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ آپ دو پہیوں والی گاڑی کو ایک پہیے پر چلائیں گے تو وہ آگے نہیں بڑھے گی، وہ اپنے AXIS پر گھوم جائے گی اور چکر لگائے گی۔ گاڑی دو پہیوں پر ہی آگے بڑھتی ہے۔ ان دونوں کو جُدا کرنا حکمتِ قرآنی اور منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔ میں انتہائی ادب کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ

کہے کہ قرآن مجید تو یہ دو چیزیں بیان کر رہا ہے، لیکن اصل میں تو ایک ہی چیز ضروری ہے تو معلوم یہ ہوا کہ اس نے قرآن مجید پر طعن کیا ہے، گویا کہ اللہ کے کلام میں نقص نکالا ہے کہ شاید یہ صرف شاعری ہو رہی ہے، محض لفاظی ہو رہی ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک. قرآن اگر ان دونوں چیزوں کو ایک یکجا اصطلاح کے طور پر لا رہا ہے تو وہ بلا مقصد نہیں لا رہا۔

اب ہم ان نو مقامات کا ایک ایک کر کے مطالعہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر مقام کے لیے میں نے ایک عنوان قائم کیا ہے:

## ۱۔ شانِ باری تعالٰے ——— النحل: ۹۰

یہ آیۂ مبارکہ آپ میں سے ہر شخص کو یاد ہو گی، کیونکہ ہر خطبۂ جمعہ کے اختتام پر آپ یہ آیت سنتے ہیں:

> اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

"یقیناً اللہ تعالٰے حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا، اور قرابت داروں کا حق ادا کرنے کا ——— اور روکتا ہے بے حیائی سے، برائی سے اور سرکشی سے۔ تم کو سمجھاتا ہے، تاکہ تم یاد رکھو۔"

یہ آیۂ مبارکہ اللہ تعالٰے کی یہ شان بیان کر رہی ہے کہ وہ خود نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ یہ آیت شریعت کے لیے ایک SYMBOL کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ شریعت نام ہی اوامر و نواہی کا ہے۔ اس آیت میں کس قدر خوبصورت توازن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا اور تین باتوں سے روکا۔ حسنِ توازن کے ساتھ ساتھ اس میں حسنِ ترتیب بھی ہے۔ اس وقت ان آیات کا درس یا تفسیر مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ یہ حقیقت آپ کے پیشِ نظر رہے کہ امر اور نہی دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ اللہ اگر نیکیوں کا حکم دیتا ہے تو بدیوں سے روکتا بھی ہے۔ ورنہ اگر وہ فلسفہ درست ہوتا کہ محض نیکی کی تلقین سے بدی خود بخود ملیامیٹ ہو جائے گی تو بدی کی نشاندہی کر کے اس سے روکنے کی اضافی طور پر ضرورت نہیں تھی۔

## ۲۔ تقاضائے فطرت و حکمت ــــــ لقمٰن: ۱۷

حضرت لقمان کے بارے میں آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ وہ نہ نبی تھے، نہ کسی نبی کے اُمتی تھے۔ وہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل حکیم و دانا انسان تھے۔ انہوں نے اپنے غور و فکر سے جو نتائج اخذ کیے ان کی جھلک ان کی نصیحتوں میں ملتی ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ لقمان کا دوسرا رکوع ان کی ان وصیتوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان وصیتوں کا آغاز اس آیۂ مبارکہ سے ہوتا ہے: وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ اس طرح قرآن حکیم نے حضرت لقمان کو امر بنا دیا ہے، اس لیے کہ جب تک قرآن موجود ہے اُن کا ذکر موجود ہے۔ اور قرآن تو ہمیشہ رہے گا، لہٰذا ان کا ذکر بھی ہمیشہ موجود رہے گا۔ تو اللہ نے اس انداز سے اپنے اُس بندے کی شان بڑھائی ہے۔ قرآن مجید میں اس طریقے سے تعین کے ساتھ یا تو رسولوں کا نام آتا ہے یا صحابہ کرامؓ میں سے حضرت زیدؓ کا نام آیا ہے۔ صحابہؓ حضرت زیدؓ کا ذکر خاص طور پر اس اعتبار سے کیا کرتے تھے کہ یہ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ ان کا نام قرآن میں آیا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا... الخ کے حوالے سے لوگ رشک سے کہا کرتے تھے کہ زیدؓ، تمہارا نام قرآن میں آیا ہے۔ ایسے ہی حضرت لقمان کا نام قرآن میں آ کر دوام حاصل کر گیا۔ یہ حکیم و دانا انسان اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیح کی روشنی میں بڑی بڑی حقیقتوں تک رسائی حاصل کر گئے۔ اسی لیے میں نے یہاں عنوان قائم کیا ہے "تقاضائے فطرت و حکمت"۔ قرآن حکیم میں ان کی وصیت نقل فرمائی گئی:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

"اے میرے بچے! نماز قائم رکھ، نیکی کا حکم دے، بدی سے روک، اور پھر صبر کر اُس پر جو تجھ پر بیتے! بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

دیکھیے، کتنی پیاری بات ہے۔ نیکی کی تلقین پر کبھی آپ کو کسی ردِّعمل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ لوگ سُن لیں گے، مانیں یا نہ مانیں۔ آپ کسی سے کہیں کہ بھئی، بھلا کام کیا کرو، نماز پڑھا کرو، روزہ رکھا کرو تو اس پر کوئی پلٹ کر آپ کو گالی نہیں دے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جیسے چکنے گھڑے

پر پانی پڑتا ہے تو پھسل جاتا ہے، اس طرح لوگ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں
____ لیکن اصل میں لوگوں کی طرف سے جوابی کارروائی اُس وقت ہوتی ہے جب آپ انہیں
بدی سے روکیں۔ اُس وقت پھر RESENTMENT اور RETALIATION ہوتی ہے۔
آپ چھوٹے سے بچے سے یہ کہہ کر دیکھیے کہ "بیٹے یہ کھیلنے کی جگہ نہیں ہے، یہ کرکٹ کا میدان
نہیں ہے، یہ سڑک ہے، تمہاری گیند کسی کا سر پھوڑ دے گی، کسی کی گاڑی کا شیشہ ٹوٹ جائے
گا ____" لیکن یہ کہہ کر پھر وہاں سے آپ کا اپنی عزت کو سالم لے کر واپس چلا آنا آسان نہیں ہو
گا۔ اس طرح کی چھوٹی سے چھوٹی بات کسی سے کہہ کر دیکھ لیجیے، وہ اسے برداشت نہیں کرے
گا۔ اسی لیے حضرت لقمان نے فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ____ یعنی بدی سے
روکنے پر جو تجھ پر بیتے پھر اسے جھیل، اس پر صبر کر! یہی تو ربط ہے سورۃ العصر کے مضامین میں
کہ "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" کے ساتھ "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کا حکم بھی دیا گیا۔ حق کی وصیت کر کے
ظاہر بات ہے کہ پھر آپ کو صبر کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔

## ۳۔ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ____ الاعراف: ۱۵۷

اس آیۂ مبارکہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تیس
راتوں کے لیے کوہِ طور پر بلایا، اور پھر اس مدت کو بڑھا کر چالیس راتیں کیا گیا، تو ان کی عدم موجودگی
میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس پر حکم دیا گیا کہ ہر قبیلے میں سے جو لوگ
توحید پر قائم رہے وہ اپنے اُن رشتہ داروں کو ذبح کریں جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، جنہوں
نے اسلام لانے کے بعد اور نبیؑ کے ساتھی ہونے کے بعد گائے کی پرستش کی۔ ان کے لیے
توبہ کی یہ صورت مقرر کی گئی۔ چنانچہ تاریخِ انسانی کی اس سب سے بڑی توبہ میں، جسے آج کی اصطلاح
میں 'PURGE' کہا جا سکتا ہے، ستر ہزار یہودی قتل کیے گئے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ستر
سرکردہ لوگوں کو لے کر کوہِ طور پر حاضر ہوئے اور دعا کی کہ پروردگار ہم سے خطا ہو گئی ہے، تو معاف
فرما دے، اور ہمارے لیے رحمت کا فیصلہ فرما دے! اس کا جواب دیا گیا: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ
کُلَّ شَیْءٍ الخ۔ یعنی ایک تو میری رحمتِ عام ہے جو ہر شے کو محیط ہے لیکن ایک میری خاص رحمت
ہے جو میں نے لکھ دی ہے اپنے اُن پرہیزگار بندوں کے لیے جو میرے رسول نبی اُمّی (صلی اللہ

علیہ وسلم) پر ایمان لائیں گے۔ (اللہ کرے کہ میں اور آپ اُن لوگوں میں شامل ہو جائیں۔) اس آیہ مبارکہ میں ان نیک بندوں کا ذکر اور رسول نبیِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان ہوتی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. الخ

"وہ لوگ کہ جو پیروی کریں گے میرے رسول نبی اُمّی کی جس کو وہ موجود پائیں گے اپنے پاس لکھا ہوا تورات اور انجیل میں۔ (وہ نبیؐ) انہیں نیکیوں کا حکم دیں گے، بدی سے روکیں گے، ان کے لیے طیب چیزوں کو حلال ٹھہرائیں گے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے"

رسول نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ مبارک کے بیان میں پہلی چیز وہی گاڑی کے دو پہیے ہیں: يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

## ۴۔ شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم ——— التوبہ: ۷۱

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ میں درجہ بدرجہ ایک ایک سیڑھی اتر رہا ہوں ——— سب سے اُوپر شانِ باری تعالیٰ، دوسرے نمبر پر فطرتِ سلیمہ جس کے لیے قرآن حکیم میں الفاظ آتے ہیں: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ تیسرے نمبر پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اب چوتھے نمبر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ سورۃ التوبہ میں صحابہؓ کی شان یہ بیان فرمائی گئی:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الخ

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار اور حمایتی ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں..."

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

## ۵۔ کیفیتِ منافقین ——— التوبہ: ۶۷

شانِ صحابہؓ کا 'CONVERSE' منافقین کی کیفیت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سورۃ التوبہ

ہی کی آیت ۶۷ میں کیفیتِ منافقین اِن الفاظ میں بیان ہوئی ہے :

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ الخ

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں۔ (یہ ایک دوسرے کے ساتھی، مددگار اور پشت پناہ ہیں)، یہ نیکی سے روکتے ہیں اور بدی کا حکم دیتے ہیں..."

معلوم ہوا کہ آپ اس عمل کو معکوس بھی کر دیں تو بھی یہ ایک وحدت ہی رہے گا۔ آپ انہیں تقسیم نہیں کر سکتے۔ یا تو کردار وہ ہوگا کہ نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا ــــــ اور یا پھر کردار یہ ہو جائے گا کہ بدی کا حکم دینا اور نیکی سے روکنا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: كَيْفَ بِكُمْ اِذَا لَمْ تَاْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ تَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ "تم لوگوں کا کیا حال ہو گا جب تم نیکی کا حکم دینا چھوڑ دو گے اور بدی سے روکنا چھوڑ دو گے؟" صحابہؓ حیران ہوئے۔ ان کے لیے تو یہ ناقابلِ قیاس اور ناقابلِ گمان بات تھی۔ انہوں نے کہا: 'يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاِنَّ ذٰلِكَ لَكَائِنٌ؟' "اے اللہ کے رسولؐ! کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟" آپ نے فرمایا: نَعَمْ، وَاَشَدُّ، كَيْفَ بِكُمْ اِذَا اَمَرْتُمْ بِالْمُنْكَرِ وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمَعْرُوْفِ؟ "ہاں، (تم اِسی پر حیران ہو رہے ہو میرے صحابہؓ!) اس سے بھی شدید کیفیت پیدا ہو جائے گی، اور اُس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم بدی کا حکم دو گے اور نیکی سے روکو گے؟" یہ وہ کیفیت ہے جو قرآن حکیم میں منافقین کی بیان فرمائی گئی۔ گویا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب میری امت میں نفاق عام ہو جائے گا۔ آج آپ کا معاشرہ یہی تصویر پیش کرتا ہے۔ نیکی کے راستے پر چلنا بہت مشکل ہے، جبکہ بدی کے راستے کشادہ ہیں اور ان پر کوئی مزاحمت نہیں۔ کوئی نوجوان ذرا داڑھی رکھ لے تو تمام رشتہ دار، اعزہ و اقارب حتیٰ کہ والدین سب اسے طعن و تشنیع کا ہدف بنائیں گے کہ تم نے یہ کیا کیا؟ ذرا گھر میں شرعی پردہ نافذ کر کے دیکھیے، آپ اپنے معاشرے سے نکال دیئے جائیں گے، آپ کا تعلق آپ کے عزیزوں سے کٹ جائے گا۔ اب ذرا اسی حدیث کا آخری ٹکڑا ملاحظہ کیجیے۔ جب صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی اس پیشگوئی پر مزید تعجب کا اظہار کیا کہ یارسول اللہ، کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟ تو

آپؐ نے فرمایا: نَعَمْ، وَاَشَدُّ، کَیْفَ بِکُمْ اِذَا رَأَیْتُمُ الْمَعْرُوْفَ مُنْکَرًا وَالْمُنْکَرَ مَعْرُوْفًا "ہاں، بلکہ معاملہ اس سے بھی شدید تر ہوگا، اور اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کو بدی جاننے لگو گے اور بدی کو نیکی سمجھنے لگ جاؤ گے!" یعنی میری امت پر ایسا دور بھی آنے والا ہے جب خیر و شر کی تمیز تک ختم ہو جائے گی۔ نیکی کو بدی سمجھا جائے گا اور بدی لوگوں کو نیکی دکھائی دے گی۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَھُمْ!!

## ۶۔ امت کا فرضِ منصبی ——— آل عمران: ۱۱۰

اس آیۂ مبارکہ کا مطالعہ ہم پہلے ہی "امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس" کے ضمن میں قدرے وضاحت کے ساتھ کر چکے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

## ۷۔ دورِ زوال میں امتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کا نقطۂ عروج ——— آل عمران: ۱۰۴

سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں 'امتِ مسلمہ کے لیے لائحہ عمل' کے موضوع پر میں نے آپ کے اسی شہر کراچی میں ایک مسجد میں آج سے چار سال قبل ایک مفصل خطاب کیا تھا۔ اس میں میں نے واضح کیا تھا کہ بگڑے ہوئے موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے، صورتِ حال کس طریقے سے تبدیل ہو، اس کے لیے قرآن ہمیں کیا لائحہ عمل دیتا ہے۔ قرآن مجید تو ہمیشہ کے لیے ہدایت و رہنمائی ہے۔ اس نے اُس دور کے لیے بھی ہدایت فراہم کی جس میں یہ نازل ہوا اور بعد والے ادوار کے لیے بھی ہدایت و رہنمائی دی ہے۔ چنانچہ اس دورِ زوال میں اگر ہمیں اوپر اُٹھنے کے لیے لائحہ عمل درکار ہے تو بھی ہمیں قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ قرآن مجید نے مذکورہ تین آیات میں ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا ہے، جس میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص تقویٰ اختیار کرے، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مل جل کر اللہ کی رسّی یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے

تھام لو اور بنیانِ مرصوص بن جاؤ، اور اس کا تیسرا نکتہ اور ذروۂ سنام یہ ہے کہ تم میں ایک جماعت تو ایسی قائم ہونی چاہیے جو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"تم میں سے ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے —— اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

قرآن نے جس جماعت کی ضرورت پر زور دیا ہے اس کے کرنے کے بس تین کام ہی بتائے ہیں —— (۱) خیر کی طرف دعوت (۲) نیکی کا حکم اور (۳) بدی سے روکنا۔ میں یہاں پر عرض کر دوں کہ واقعہ یہ ہے کہ آج ہماری دینی جماعتیں بھی اپنے اصل ہدف سے ہٹ چکی ہیں۔ اپنے آپ کو پاور پالیٹکس میں ملوث کر لینا، کبھی کسی کا پاسنگ اور کبھی کسی کا ضمیمہ بن جانا اور سیاسی اعتبارات سے اِدھر سے اُدھر لڑھکتے پھرنا، یہ سب درحقیقت اپنے اصل ہدف سے ہٹ جانے کی بنا پر ہے۔

ع آہ وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف!

مذکورہ بالا تین آیات کی روشنی میں مَیں نے جو تقریر ۱۹۸۵ء میں یہاں کی تھی، اسے بھائی جمیل الرحمٰن صاحب نے ٹیپ سے اُتار لیا تھا اور اب وہ "مسلمانوں کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل" کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہو گئی ہے۔ (اللہ تعالیٰ بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کو جزائے خیر دے کہ میری بہت سی تقریریں انہی کے ذریعے سے کتابی شکل میں آئی ہیں) یہ ایسا کتابچہ ہے جسے بڑے پیمانے پر عام کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن نے ہمیں جو لائحہ عمل دیا ہے اسے اپنائے بغیر اس قعرِ مذلت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ غزوۂ حنین کے موقع پر جب آنحضورؐ اپنے جاں نثار صحابہؓ کے ساتھ ایک تنگ پہاڑی درے سے گزر رہے تھے تو وہاں پہلے سے موجود کفار کی جانب سے تیروں کی اچانک بوچھاڑ سے ایک بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز بلند کی: اِلَیَّ یاعبادَ اللّٰہ، اِلَیَّ یاعباداللّٰہ! اے

اللہ کے بندو، کدھر جا رہے ہو، میری طرف آؤ! آج قرآن یہی پکار لگا رہا ہے: اِلَیَّ یا عباد اللہ! آؤ، میری طرف آؤ! ع سوئے مادر آ کہ تیمارت کند!! قرآن پکار رہا ہے کہ آؤ، میرے پاس پروگرام اور لائحہ عمل ہے، میرے پاس ہدایت ہے ـــــ لیکن تم نے مجھے اپنا امام بنایا ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کتابچے کا انتساب اُن باہمت افراد کے نام کیا ہے جو قرآن حکیم کو واقعۃً اپنا امام اور رہنما بنانے کا فیصلہ کر لیں!

## ۸۔ اصحابِ اقتدار کا فرضِ عین ـــــ الحج: ۴۱

اس سلسلے کا آٹھواں مقام سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ پر مشتمل ہے، جہاں ایک اسلامی حکومت کے اربابِ اختیار و اقتدار کے بنیادی اور اہم ترین فرائض گنوائے گئے ہیں:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ۝

"وہ لوگ کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اختیار و اقتدار عطا فرما دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے ۔۔۔۔۔"

یہ آیات اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ یہ اُس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماتے ہوئے مکہ سے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، جہاں ایک اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آنا تھا۔ تو یہ گویا کہ "حزب اللہ" کا منشور (MENIFESTO) ہے کہ وہ لوگ جو حقیقۃً ایمان اور اسلام پر عمل پیرا اور کاربند ہوں، انہیں اگر اللہ اقتدار عطا فرما دے تو وہ کیا کریں گے! یہاں بھی نظامِ صلوٰۃ اور نظامِ زکوٰۃ کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' کا ذکر ایک وحدت کے طور پر کیا گیا ہے۔

## ۹۔ سرفروش اور جانباز اہلِ ایمان کے اوصاف کا ذروۂ سنام ـــــ التوبہ: ۱۱۱، ۱۱۲

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

"اللہ نے اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ (لہٰذا) وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ (جنت کا یہ) وعدہ حق ہے اس کے ذمے ہے۔ (اللہ نے اس وعدے کی توثیق کی ہے) تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا کون ہے پس خوشیاں مناؤ اپنی اس تجارت پر جو تم نے اس سے کی ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ (ان کے اوصاف یہ ہیں کہ) وہ توبہ کرنے والے ہیں، (اللہ کی) بندگی کرنے والے، حمد کرنے والے، (لذاتِ دنیوی سے) کنارہ کشی کرنے والے، (اللہ کی بارگاہ میں) رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدوُد کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبی) خوشخبری سنا دیں اہلِ ایمان کو"

ان آیات کا آغاز ہوتا ہے کہ اللہ نے تو اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ یعنی جو بھی باشعور صاحبِ ایمان ہے وہ گویا اللہ کے ساتھ ایک بیع وشراء کر چکا، اپنی جان اور مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکا ـــــ لہٰذا اسی کا مظہر یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ سرفروشی اور جاں فشانی کے پیکر تھے۔ جب بھی انہیں پکارا گیا جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی راہ میں جہاد وقتال کریں اور تمنا یہ رکھیں کہ اس راہ میں جان تک قربان کر دیں گے، جیسے حضورؐ نے فرمایا: لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، ثُمَّ اُحْیَا، ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیَا،

ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْيَا، ثُمَّ اُقْتَلُ[1]" یعنی میری بڑی خواہش اور آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے۔ تو اللہ کرے کہ یہ خواہش ہمارے دلوں میں بھی آجائے۔
لیکن اس خواہش کے ساتھ ساتھ کچھ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنا ہوں گے۔ وہ اوصاف کیا ہیں:
التائبون۔ العابدون۔ الحامدون۔ السائحون۔ الراکعون۔ الساجدون۔ الاٰمرون بالمعروف۔ والناھون عن المنکر۔ والحافظون لحدود اللہ۔ یعنی
(۱) توبہ کرنے والے، رجوع کرنے والے۔ خطا یا غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کریں۔ (۲) اللہ کے عبادت گزار۔ اس کے اطاعت شعار، اس کی بندگی کو اپنی زندگی کا اصول بنا لینے والے۔
(۳) اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف رہنے والے۔ (۴) لذاتِ دنیوی سے کنارہ کشی کر لینے والے۔
(۵) اللہ کی جناب میں رکوع کرنے والے۔ (۶) اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنے والے۔ (۷) نیکی کا حکم دینے والے (۸) اور بدی سے روکنے والے۔ (۹) اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور آخر میں فرمایا گیا کہ اے نبی، ایسے اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجیے جنہوں نے اپنی جانیں اور مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیئے اور اس کے بعد ان کی زندگی کے شب و روز کا نقشہ اوپر بیان کردہ آیت کے مطابق ہے۔ انہیں ان کی کامیابی کی خوشخبری سنا دیجئے!!
یہ مقام اس اعتبار سے ذروۂ سنام ہے کہ یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بھی اگلا قدم بیان کر دیا گیا: اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللہِ۔ حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے۔
اور موجودہ دور میں اسلامی انقلاب کے لیے 'اقدام' کا مرحلہ یہی ہوگا۔ سنّتِ نبوی، سیرتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے ہمیں انقلاب کے چھ مراحل ملتے ہیں —— (۱) دعوت (۲) تنظیم (۳) تربیت (۴) صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) (۵) اقدام (ACTIVE RESISTANCE) اور (۶) مسلح تصادم۔ موجودہ حالات میں "مسلح تصادم" کے بجائے "اقدام" کا طریقہ یہ ہوگا کہ انقلاب کے کارکن میدان میں نکل کھڑے ہوں کہ ہم اللہ کی حدود کو توڑنے نہیں دیں گے۔ یہ نہی عن المنکر

---

[1] رواہ البخاری، عن ابی ہریرۃؓ۔

بالید کا ایک انداز ہے۔ وہ طاقت کے ساتھ چیلنج کر دیں اور منکرات کے مقابلے میں دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں کہ اب ہم جیتے جی یہ نہیں ہونے دیں گے! اب یہ ہماری لاشوں پر ہی ہو گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی فوج جس پر آپ کے بجٹ کا بہت بڑا حصہ صرف ہوتا ہے، اس کا مقصد کیا ہے۔ یہ کہ وطنِ عزیز کی سرحدوں کے محافظ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ جان دے دیں لیکن اس سرزمین کا ایک انچ بھی دشمن کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ ابھی تقریباً بیس کروڑ روپیہ "ضربِ مومن" پر اسی لیے تو خرچ ہوا ہے کہ ہماری افواج چاق و چوبند رہیں اور ہر طرح کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہوں، کہیں وقت آنے پر سُست پڑے ہوئے نہ ہوں۔ یہ سب کس لیے ہے؟ حدودِ ارضی کی حفاظت کے لیے، وطن کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کے لیے! لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ اس ملک کی نظریاتی حدود بھی ہیں۔ وہ نظریاتی حدود "حدود اللہ" ہیں، جن کی ہمیں حفاظت کرنی ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ـــــ "دیکھو، یہ اللہ کی حدود ہیں، ان کے قریب بھی نہ پھٹکو!" کہیں یوں فرمایا گیا: .... فَلَا تَعْتَدُوْهَا ـــــ "یہ اللہ کی حدود ہیں، انہیں پامال نہ کرو، ان سے تجاوز نہ کرو!"۔ اب اللہ کا وہ سرفروش بندہ جو جان اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ چکا ہو اس کے اوصاف کی چوٹی درحقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی حدود کا محافظ بن کر کھڑا ہو جاتے کہ میرے جیتے جی اللہ کی یہ حد پامال نہیں کی جائے گی۔ میں زندہ رہوں اور اللہ کی حدود پامال کر دی جائیں، یہ نہیں ہو گا! اس موقع پر مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یاد آ گئے ہیں۔ انہوں نے یہی فرمایا تھا: اَيُبَدَّلُ الدِّيْنُ وَاَنَا حَيٌّ؟ "کیا دین کے اندر تغیر کر دیا جائے گا، جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟" آپؓ کے دورِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کچھ حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ آپ یہ اتنے سارے محاذ ایک دم نہ کھول لیجئے۔ ایک طرف مدعیانِ نبوت ہیں۔ وہ تو کھلم کھلا مرتد ہیں۔ ٹھیک ہے ان کے خلاف تو اقدام کیجئے لیکن یہ مانعینِ زکوٰۃ تو کلمہ گو ہیں، انہوں نے کسی نئے نبی کو بھی تسلیم نہیں کیا ہے، آپ ان کے خلاف محاذ نہ کھولیے، اس لیے کہ اس وقت حالات بڑے مخدوش ہیں ـــــ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے: اَيُبَدَّلُ الدِّيْنُ وَاَنَا حَيٌّ؟ "کیا دین کے اندر تبدیلی کر دی

جائے گی، اس حال میں کہ میں زندہ ہوں؟ آپؓ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق یونہی تو نہیں بن گئے تھے۔ یہ رتبہ بلند یونہی تو نہیں مل گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو مشورہ دیا تھا کہ اس وقت حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ ایک طرف جیش اسامہؓ کو بھی نہیں روک رہے، سلطنتِ روم کے ساتھ ٹکراؤ اس دلیل پر جاری رکھ رہے ہیں کہ حضورؐ نے جو جھنڈا باندھ دیا تھا میں اسے کیسے کھول دوں، حضورؐ نے جو لشکر تیار کر دیا تھا اب اسے کیسے روک دیا جائے! اگر یہ تمام محاذ بیک وقت کھول دیئے گئے تو یہاں مدینہ منورہ میں محافظ کون ہوں گے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا کہ اگر کوئی محافظ نہ ہو اور درندے آکر ابوبکر کو نوچیں تب بھی یہ کام ہو کر رہے گا۔ اس لیے کہ میں اللہ کے رسولؐ کا خلیفہ ہوں۔ میرا مقصدِ زندگی ان کے مشن کی تکمیل ہے۔ یہ ہے حفاظتِ حدود اللہ! تو یہ جو یہاں نو اوصاف بیان ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے ایک ایک وصف اپنے اندر جذب کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

میری اس گفتگو میں اگرچہ کئی دوسرے مضامین بھی ضمنی طور پر آگئے، لیکن اس سے میرا مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ناقابلِ تقسیم (INSEPERABLE) ہیں۔ قرآن مجید اگر نو مقامات پر انہیں متوازن (BALANCED) طریقے سے اجزائے لاینفک کی حیثیت سے بیان کر رہا ہے تو ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان میں سے کسی ایک کو غیر ضروری یا اضافی قرار دے۔ اس سلسلے میں غلط فہمی رفع ہونی چاہیے۔ یہ مغالطہ جنہیں بھی ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اس مغالطے پر متنبہ اور مطلع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

## پس نوشت

'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کے باہمی لزوم کے ضمن میں قرآن حکیم کے متذکرہ بالا نو مقامات کے علاوہ "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" کے مصداق دسواں مقام سورۃ آل عمران کی آیات ۱۱۳، ۱۱۴ میں اہل کتاب کے صالح لوگوں کے اوصاف کے سلسلے میں وارد ہوا ہے: "لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝

# نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

## اور

## علماء و صلحاء کے کرنے کا اصل کام

اب تک میں نے دو باتیں عرض کی ہیں ــــــ ایک یہ کہ امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کے لیے قرآن حکیم کی اصطلاحات دو ہیں: شہادت علی الناس اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دوسری یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ اب ہم تیسری بحث کی طرف آتے ہیں کہ ان دونوں میں اہم تر 'نہی عن المنکر' ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے متعدد اضافی مقامات ایسے ہیں جہاں صرف نہی عن المنکر کا بیان ہے۔ ہمارے اصولِ فقہ میں بھی یہ اصول ہے کہ 'نہی' بہ نسبت 'امر' کے زیادہ زور دار اور مؤثر ہے۔ مثال کے طور پر دو حدیثوں کو لیجئے۔ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تم میں سے جب بھی کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت 'تحیۃ المسجد' ادا کرلے[1] ۔ دوسری حدیث میں یہ ہے کہ عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے[2]۔ اب اگر کوئی شخص عصر کے بعد مسجد میں آئے تو وہ کیا کرے؟ ہمارے فقہاء اس مسئلے میں نہی کو امر کی نسبت مقدم سمجھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص عصر کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں آتا ہے تو وہ تحیۃ المسجد ادا نہیں کرے گا۔

قرآن و حدیث کی رُو سے خاص طور پر علماء اور صوفیاء کے کرنے کا اصل کام یہی نہی عن المنکر ہے اور عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ بھی یہی ہے۔ اس کے ضمن میں ہم قرآنِ حکیم کی چند آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین احادیث کا مطالعہ کریں گے۔

---

[1] اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَجْلِسَ (متفق علیہ: عن ابی قتادۃ)

[2] لَاصَلٰوۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ (متفق علیہ، عن ابی سعید الخدری)

قرآن حکیم میں اہلِ کتاب کے جو حالات وارد ہوئے ہیں اُن کی حیثیت درحقیقت ایک آئینے کی سی ہے جو مسلمانوں کو دکھایا جا رہا ہے۔ میری تقاریر اور مضامین میں بنی اسرائیل کے بارے میں بارہا اس حدیث کا حوالہ آیا ہے کہ حضورؐ نے خبر دی تھی کہ میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے، بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے۔ میری امت میں بھی وہ ساری خرابیاں پیدا ہوں گی جو اُن میں پیدا ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ اگر اُن میں کوئی بدبخت ایسا اٹھا تھا جس نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا ہو تو میری امت میں سے بھی کوئی نہ کوئی ایسا پیدا ہو گا جو یہ حرکتِ شنیع کرے گا۔[1] اسی کے حوالے سے قرآن حکیم نے بنی اسرائیل پر جو تنقید کی ہے اس کو پڑھیے۔

## علماءِ یہود پر قرآن کی تنقید

سورۃ المائدہ کی آیات ۶۲-۶۳ میں یہ مضمون بڑی وضاحت سے آیا ہے:

وَتَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

"اور تم دیکھو گے ان میں سے ایک کثیر تعداد کو کہ تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں گناہ کے کاموں میں اور ظلم و زیادتی میں اور حرام خوری میں۔ بہت بُرے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش

---

[1] لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَيَكُوْنَنَّ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی، عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے بہت ہی بُرے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں"

یعنی اگرچہ کہنے کو یہ لوگ اللہ کے نام لیوا ہیں، موسیٰؑ کے امتی ہیں، تورات کے ماننے والے ہیں، سینکڑوں نبیوں پر ایمان کے دعویدار ہیں، ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں ــــ لیکن عملاً ان کا حال یہ ہے کہ بجائے نیکیوں میں پیشقدمی کرنے کے، تین بُرے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (۱) الْاِثْمِ: گناہ کا کام، فرائض میں کوتاہی کا ارتکاب، حق تلفی اور لوگوں کے حقوق کو غصب کرنے اور سلب کرنے کا کام ــــ (۲) وَالْعُدْوَانِ: اور ظلم و زیادتی، تعدی (۳) وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ: اور ان کی حرام خوری۔ اس حرام خوری کے مختلف انداز تھے۔ سود بھی تھا، جوا بھی تھا۔ اور یہی دوڑ آپ کو اپنے ہاں بھی نظر آ جائے گی۔ آپ کے اس ملک میں جتنے بڑے پیمانے پر جوا گزشتہ دنوں ہوا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ سیور ریفل کی شکل میں کروڑوں بلکہ اربوں روپے کا جوا کھیلا گیا۔ اور آپ کی وزیر اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ میں تو وزیر خزانہ سے کہنے والی ہوں کہ باقی ٹیکس وغیرہ سب کو چھوڑیں اور یہ لاٹری کا دھندا شروع کریں۔ اس میں جو رقم اکٹھی ہوتی ہے وہ ہم نے کسی اور کام میں نہیں دیکھی۔ انعامات کی امید پر جو لاکھوں افراد جوئے کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ کون لوگ تھے؟ یہ آسمان سے اُترنے والی کوئی دوسری مخلوق نہیں تھی۔ یہ کوئی ہندو نہیں تھے، یہودی نہیں تھے، بلکہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام لیوا تھے۔

آگے فرمایا: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ "کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے صوفیاء اور ان کے علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے"۔ ربّانی کہتے ہیں اللہ والے کو، 'رَبّ' سے ربّانی بنا ہے یعنی درویش، فقراء، صوفیاء اور صلحاء وغیرہ۔ 'احبار' جمع ہے 'حِبر' کی۔ حِبر کہتے ہیں بہت بڑے عالم کو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو 'حبر الامۃ' کہا جاتا ہے۔ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا فرمائی تھی کہ اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ یعنی اے اللہ اسے دین کا تفقہ عطا فرما اور قرآن حکیم کے اصل مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت عطا فرما۔ حضورؐ کی دعا کی برکت سے وہ امت کے سب سے بڑے عالم ہو گئے تو ظاہر

بات ہے کہ جس طرح ہماری امت میں بڑے بڑے عالم اور صوفیار ہیں، ایسے ہی بنی اسرائیل میں بڑے بڑے عالم اور فقیہہ بھی ہوتے تھے اور صوفیار اور درویش بھی۔ تو فرمایا کہ ان کے کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ لوگوں کو گناہ کی بات کہنے اور حرام خوری سے روکتے، لیکن فی الحقیقت وہ کیا کام کر رہے ہیں؟ انہوں نے اپنے فرضِ منصبی کو ترک کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کو بُرائی سے روکتے نہیں اور روکیں بھی کیسے؟ حرام خوری سے روکیں گے تو لوگ ان کی طرف رجوع نہیں کریں گے، کسی دوسرے کی طرف کر لیں گے۔ میں آپ کو ایک حقیقی واقعہ بتاتا ہوں کہ ایک صاحب نے خود مجھ سے کہا کہ میں آئندہ آپ کے ہاں جمعہ پڑھنے نہیں آؤں گا۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگے کہ آپ ہمیں ہر چند جمعوں کے بعد وہ سُود کی شناعت والی حدیث سنا دیتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ سُود کے بغیر تو ہمارا کاروبار چلتا نہیں۔ اب ایسی حدیثیں سننے کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم لوگ وہ کام کر رہے ہیں جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے ساتھ بدکاری سے بھی ستر گنا بڑا گناہ بتایا ہے[1]۔ آپ ہمیں ایسی حدیثیں سناتے رہتے ہیں، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ آپ کے ہاں نہیں آؤں گا۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میرا کام تو سنانا ہے پہنچانا ہے، سمجھانا ہے۔ سننا چاہو تو سنو! آج نہیں تو شاید اللہ تعالیٰ کل توفیق عطا فرما دیں لیکن اگر سننا نہیں چاہتے تو میں زبردستی تو نہیں کر سکتا۔ اب وہ علماء جن کی مجبوری یہ ہے کہ اُن کا معاش کا معاملہ وہیں سے ہے، جن کی تنخواہیں انہی سُود خور سرمایہ داروں کی طرف سے آرہی ہیں وہ انہیں کیسے کہیں کہ حرام خوری ترک کر دو۔ اکثر و بیشتر وہی چوہدری اور سرمایہ دار مساجد کے منتظم اور مہتمم ہیں۔ وہی تو ہیں جو یہاں بہترین قالین لا کر بچھاتے ہیں۔ اب اُن کے کاروبار میں حرام ہے تو انہیں کون روکے؟ اِلّا ماشاء اللہ۔ اس معاشرے میں کچھ سعید روحیں بھی ہیں جن کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قلیل تعداد امین اور دیانتدار تاجروں اور کاروباری حضرات کی بھی یقیناً موجود ہے اور معدودے چند علماء بھی ایسے ہیں جو کسی ملامت کے خوف کے بغیر نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں لیکن

---

[1] اَلرِّبٰو سَبْعُوْنَ جُزْءً اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان: عن ابی ہریرہ)

معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ جب معاشرے سے نہی عن المنکر ختم ہو جاتا ہے تو پھر تباہی و بربادی عام ہو جاتی ہے۔ آج اس مضمون کو اچھی طرح سمجھیے قرآن کہتا ہے کہ "کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے صوفیاء اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟" لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ: "بہت برا ہے وہ عمل جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔"

سورۃ المائدہ میں آگے چل کر اسی کے ہم مضمون چار آیات مزید آئی ہیں:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور (حدود الٰہی سے) تجاوز کرتے تھے۔ (اور ان کا اصل جرم یہ تھا کہ) وہ ایک دوسرے کو شدت کے ساتھ منع نہیں کرتے تھے ان برائیوں سے جو وہ کرتے تھے۔ بہت ہی برا طرزِ عمل ہے جس پر وہ کاربند تھے۔ تم دیکھو گے ان میں سے بہت سوں کو کہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے۔ کیا ہی برا سامان انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں۔ اور اگر وہ (واقعۃً) ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور اس شے پر جو اس پر نازل کی گئی تو وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بناتے لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔"

یہاں اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھے، موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور چہیتے ہونے کا دعویٰ بھی تھا، لیکن اُن کی روش گناہ و معصیت اور حرام خوری کی تھی۔ چنانچہ ان پر انبیاء کی زبان سے لعنت فرمائی گئی۔ حضرت داؤدؑ کی زبانی ان پر کیا کیا لعنتیں ہوئیں، ان کے الفاظ آج ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ اس وقت جو بھی 'زبور' موجود ہے جسے 'PSALMS' کہا جاتا ہے اور جو عہد نامہ قدیم (OLD TESTAMENT) کا حصہ ہے اس میں ایسی باتیں موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر حضرت داؤدؑ کی زبان سے جو تنقید کی باتیں کہلوائی تھیں، انہیں یہود نے زبور کے صفحات سے کھرچ دیا ہے۔ لیکن اللہ کا بڑا شکر ہے کہ ایسی باتیں اناجیل میں اب بھی موجود ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے خاص طور پر علمائے یہود پر بہت تنقیدیں کی ہیں۔ انہیں سانپ کے سنپولیوں سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا: "تم سانپ کے سنپولیوں کے مانند ہو۔ تمہارا حال یہ ہے کہ تم نے اپنے اُوپر تقویٰ کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے اور اندر سے تمہارا کردار انتہائی گھناؤنا ہے۔" علمائے یہود کو مخاطب کر کے حضرت مسیحؑ نے یہ الفاظ بھی فرمائے: "تمہارا حال اُن قبروں کے مشابہ ہے جنہیں اُوپر سے تو سفیدی کی گئی ہے اور بڑی خوشنما نظر آرہی ہیں لیکن اُن کے اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔" اور یہ بہترین ضرب المثل بھی حضرت مسیحؑ ہی کی ہے جو ہمارے ہاں عام طور پر ادب میں استعمال ہوتی ہے کہ "تم مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو۔" ہمارا حال بھی یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں لیکن بڑے بڑے گناہوں کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔ سُود خوری پر کوئی نہیں رو گے گا لیکن رفع یدین، آمین بالجہر اور تراویح کی تعداد پر بڑے بڑے پوسٹر بھی چھپ گئے، بڑے چیلنج بھی ہوں گے، لمبی چوڑی بحثیں اور مناظرے بھی ہوں گے اور پوری پوری کانفرنسیں بھی ہوں گی۔ حالانکہ دین میں ان کی اہمیت بالکل جزوی اور ثانوی ہے۔ دوسری طرف سُود کا لین دین ہو رہا ہے، جوا اور سٹہ سب کچھ چل رہا ہے، لیکن کسی کو کچھ کہنے کی توفیق نہیں۔ اصل میں یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی۔ آگے فرمایا:

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ "یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کی روش اختیار کی۔" معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر رحمت فرماتا ہے

تو وہ بھی اس کے اعمال کی مناسبت سے، اور اگر اللہ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے تو وہ بھی یونہی نہیں ہو جاتی، بلکہ لوگوں کی اپنی بدکاری اور بداعمالی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اب آگے وہ اصل مضمون آرہا ہے جس کے سلسلے میں یہ آیات بیان کر رہا ہوں: کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ۔ ان کا سب سے بڑا جرم، سب سے بڑی نافرمانی، اور سب سے بڑا اعتذار یہ ہے کہ جو غلط کام وہ کرتے تھے، اس پر ایک دوسرے کو شدت کے ساتھ منع نہیں کرتے تھے، روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔ 'تناہی' باب تفاعل سے ہے۔ اسی باب سے لفظ 'تواصی' ہے: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ شدت اور اشتراک باب تفاعل کا خاصہ ہے یعنی باہم کسی کام کو انتہائی شد و مد کے ساتھ سرانجام دینا۔ تو 'تناہی' کے معنی ہوں گے پوری تاکید اور شدت کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کو گناہوں سے روکنا ٹوکنا۔ قرآن یہود پر فردِ جرم عائد کر رہا ہے کہ ان کا اصل جرم جس کی بنا پر ان پر لعنت کی گئی وہ یہی تھا کہ وہ منکرات سے ایک دوسرے کو پوری تاکید کے ساتھ روکتے نہیں تھے۔ کسی بگڑے ہوئے معاشرے کے مختلف طبقات کے اندر مختلف خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن وہ ایک دوسرے کی برائیوں پر روک ٹوک اس لیے بند کر دیتے ہیں کہ اس طرح خود ان کی اپنی برائیوں پر بھی تنقید ہو گی۔ لہٰذا ان کے مابین گویا ایک شریفانہ معاہدہ (A GENTLEMAN AGREEMENT) ہو جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ نہ کہے۔ آج کل کے دور میں تو بسا اوقات اس کو رواداری کا نام بھی دے دیا جاتا ہے کہ ہر ایک کا اپنا اپنا خیال، اپنا اپنا نظریہ، اپنے اپنے معیارات اور اپنی اپنی اقدار ہیں لہٰذا کسی کو دوسرے پر تنقید کا حق نہیں۔

## ایک چونکا دینے والی حدیث

میں چاہتا ہوں کہ یہاں اس مضمون سے متعلق ہم ایک حدیث کا مطالعہ بھی کر لیں تاکہ قرآن مجید کی تفسیر حدیثِ رسولؐ کی روشنی میں سامنے آجائے۔ حدیث چونکہ طویل ہے لہٰذا اس کا ترجمہ و تفہیم ہم متن کے ساتھ ساتھ کریں گے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ-

بنی اسرائیل میں سب سے پہلے جو نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا ——

دیکھیے کسی قوم میں جب زوال آتا ہے تو درجہ بدرجہ آتا ہے۔ کوئی آدمی زینے پر چڑھتا ہے تو ایک ایک سیڑھی کر کے چڑھتا ہے اور نیچے اُترتا ہے تب بھی درجہ بدرجہ اُترتا ہے۔ اسی طرح گراوٹ بھی ایک دم سے نہیں آتی۔ بڑے بڑے بند جب ٹوٹتے ہیں تو شروع میں چھوٹا سا سوراخ ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بڑی بڑی نہروں میں شگاف ایسے پڑتے ہیں کہ بسا اوقات کسی چوہے کے بل کے ذریعے سے پانی آتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے ایک بڑا شگاف پڑ جاتا ہے۔ تو وہ چوہے کا بل کون سا ہے جو قوموں کو برباد کرتا ہے؟ اس کا ذکر فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں جو اوّلین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا:

اَنَّہٗ کَانَ الرَّجُلُ یَلْقَی الرَّجُلَ فَیَقُوْلُ

کہ ان میں سے ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کرتا تھا تو یہ کہتا تھا ——

یَا ھٰذَا اتَّقِ اللّٰہَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ، فَاِنَّہٗ لَا یَحِلُّ لَکَ

اے فلاں، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور جو تم کر رہے ہو اس کو چھوڑ دو، اس لیے کہ یہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔

کہ بھائی یہ کاروبار جو تم کر رہے ہو یہ سُود پر مبنی ہے اسے چھوڑ دو۔ یہ تمہارا طرزِ معاشرت اللہ کے احکام کے مطابق نہیں ہے، اسے تبدیل کرو۔ مثلاً آج ہم کسی سے یہ کہیں گے کہ سیورز فِل کی طرح کی سکیموں میں روپیہ مت لگاؤ، یہ جوا ہے، جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ جو بے پردگی اختیار کی ہے اس کو چھوڑ دو، یہ چیزیں جائز نہیں ہیں، حلال نہیں ہیں —— یہاں تک تو بات اس نے صحیح کی، بُرائی کے اُوپر روک ٹوک کی، نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا —— لیکن

ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ

پھر اس کی اسی شخص سے اگلے روز دوبارہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ اپنے سابق حال پر قائم ہوتا تھا۔

یعنی جس بُرائی میں وہ مبتلا تھا، اس کو اس نے ترک نہیں کیا اور اسی طرح اپنی سابقہ حالت پر قائم رہا۔ وہ حرام خوری سے باز نہیں آیا، اپنا سُودی کاروبار بند نہیں کیا، جوا کھیلنے سے توبہ نہیں کی، بلکہ حرام کاموں میں اسی طرح ملوث رہا۔

فَلَا يَمْنَعُهٗ ذٰلِكَ اَنْ يَكُوْنَ اَكِيْلَهٗ وَشَرِيْبَهٗ وَقَعِيْدَهٗ

لیکن یہ چیز مانع نہیں ہوتی تھی اُس (پہلے شخص) کے راستے میں کہ وہ اس کا ہم نوالہ و ہم پیالہ اور ہم نشین بنے۔

یعنی اس کے باز نہ آنے کے باوجود وہ ناصح (اسے بدی سے روکنے والا) اس کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا بھی تھا، پیتا بھی تھا، اس کا ہم نشین بنتا تھا، اس کے ساتھ خوش گپیاں کرتا تھا۔ اس کا مقاطعہ اور بائیکاٹ نہیں کرتا تھا۔ دیکھئے، نمازِ وتر میں آپ روزانہ دُعائے قنوت میں یہ الفاظ کہتے ہیں: وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ۔ اے اللہ جو شخص بھی تیرا فاجر ہوگا، تیرے احکام کو توڑنے والا ہوگا، ہم اس سے لاتعلقی کرلیں گے، اس سے اپنا تعلق منقطع کرلیں گے۔ لیکن عملاً ہمارا حال کیا ہے، اس پر خود غور کر لیجیے! کیا آج ہمارا طرزِ عمل بھی وہی نہیں ہے جو بنی اسرائیل کے مصلحین کا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن جیسے انجام سے محفوظ رکھے۔

فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ۔

جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو آپس میں مشابہ کر دیا۔

کہ جب یہ روش عام ہوگئی اور غیرت و حمیتِ دینی ختم ہوتی گئی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی باہم ایک جیسا کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ جب تک کہ ایسے لوگوں کا مقاطعہ اور سوشل بائیکاٹ نہ ہو ان کے رنگ سے آپ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ ان کا وہ رنگ آپ پر چڑھ جاتے گا اور آپ کے دل کے اُوپر بھی وہی اثرات طاری ہو جائیں گے۔

اس کے بعد حضورؐ نے سورۃ المائدہ کی یہی چار آیات تلاوت فرمائیں جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہیں یعنی:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ........ فَاسِقُوْنَ ○

یہ گویا کہ ان چار آیات کی مستند شرح ہے جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے سامنے بیان فرمائی کہ ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلے پہل جو نقص واقع ہوا وہ یہ تھا کہ لوگوں میں احساس تھا، ان کے علماء منکرات سے روکتے تھے کہ خدا کے لیے بُرائی سے باز آجاؤ لیکن ان کے باز نہ آنے پر ان سے قطع تعلق نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہتے تھے اور ان کے ساتھ مجلسی روابط قائم رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تو بدلے نہیں، خود یہ ناصحین اور مصلحین بدل گئے۔ ان کے اپنے دلوں کی کیفیت تبدیل ہو گئی اور ان کے اُوپر بھی وہی فاسقانہ رنگ چڑھ گیا۔[1]

ثُمَّ قَالَ:

(ان آیات کی تلاوت کے بعد) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

ہرگز نہیں، خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا۔

وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا۔

وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ

اور تمہیں لازماً ظالم کے ہاتھ کو قوت کے ساتھ پکڑ لینا ہوگا۔

وَلَتَأْطُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا

اور تمہیں اس کو لازماً حق کی طرف جبراً موڑنا ہوگا۔

---

[1] بقول علامہ اقبال ؎

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی | خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا

اور اسے حق کے اُوپر قائم رکھنا ہوگا۔

اللہ اللہ ــــــ، کلامِ نبوت کی فصاحت و بلاغت ملاحظہ فرمایئے اور پھر یہ انتہائی تاکیدی انداز بھی ہے۔ آگے فرمایا:

أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

یا پھر اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مشابہ کر دے گا۔

یعنی اگر تم بھی وہی طرزِ عمل اختیار کرو گے اور اس ضمن میں اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک جیسے کر دے گا۔ انہی لوگوں جیسی قلبی کیفیات، وہی بے حسی، وہی بے غیرتی تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائے گی۔

ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ

پھر اللہ تعالےٰ تم پر بھی لعنت فرمائے گا جیسے ان (یہود) پر لعنت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس آخری انجام سے بچائے جس سے بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ

اس حدیث کو امام ابو داؤدؒ اور امام ترمذیؒ دونوں نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

هٰذَا لَفْظُ اَبِي دَاوُدَ ، وَلَفْظُ التِّرْمِذِي :

متذکرہ بالا الفاظ روایتِ ابوداؤدؒ کے ہیں اور ترمذیؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں (جو آگے آرہے ہیں):

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ فِي الْمَعَاصِيْ

جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے

نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ

تو اُن کے علماء نے انہیں روکا۔ (یعنی ابتدا میں اُن کے علماء نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے)۔

فَلَمْ يَنْتَهُوا

لیکن وہ باز نہ آئے۔

فَجَالَسُوهُمْ فِي مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ

(لیکن اس کے باوجود ان علماء نے) ان کی ہم نشینی اور ان کے ساتھ باہم کھانا پینا جاری رکھا۔

فَضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ

تو (اس کے نتیجہ میں) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بھی باہم مشابہ کر دیا۔

وَلَعَنَهُمْ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت فرمائی۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ

یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے رہے

فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا وَقَالَ:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر بیٹھ گئے، جبکہ اس سے پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اور فرمایا:

لَا، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔

حَتّٰى تَاْطِرُوْهُمْ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا

(تمہاری ذمہ داری اس وقت تک ادا نہیں ہو گی)، جب تک کہ تم انہیں زبردستی حق کی طرف موڑ نہ دو!

قرآن حکیم کی متذکرہ بالا آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی رُو سے ہمارے علماء، صلحاء کا اور ان صوفیاء کا جو لوگوں کو تزکیۂ نفس کے طریقے اور تقرب الی اللہ کے راستے بتا رہے ہیں، سب سے بڑا فرض یہی نہی عن المنکر ہے۔ ان سب پر واجب ہے کہ وہ

لوگوں کو منکرات پر ٹوکیں، انہیں منع کریں، ان پر تنقید کریں ــــ اور اگر باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ مقاطعہ کریں، ملنا جلنا چھوڑیں، ان پر یہ سوشل پریشر ڈالیں۔ اِس وقت اگرچہ اہلِ حق علماء بھی موجود ہیں، دُنیا کبھی ان سے خالی نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہوگی ــــ اس کی ضمانت دی ہے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَا یَزَالُ فِی اُمَّتِی طَائِفَۃٌ قَائِمِیْنَ عَلَی الْحَقِّ (میری اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا) ــــ لیکن اِس وقت ان کی اکثریت کا حال کیا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر بیچارے ملازم ہیں۔ انہی لوگوں کی طرف سے آنے والی تنخواہوں پر اُن علماء و خطباء کی معیشت کا دارومدار ہے۔ انہی کی طرف سے موصول ہونے والے ہدیوں اور نذرانوں سے ان کا معیارِ زندگی بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ انہیں روکیں اور ٹوکیں تو کس طرح؟ اِلّا ماشاء اللہ!

## دینی جماعتیں اور پاور پالیٹکس!

ان سے آگے بڑھ کر میں فعّال دینی جماعتوں کے بارے میں عرض کر رہا ہوں کہ پاور پالیٹکس میں ان کے ملوث ہونے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کی ساری دوستیاں اور تعلقات اُنہی لوگوں کے ساتھ ہیں جو کھُلم کھُلا منکرات میں مبتلا ہیں۔ یہ اُنہی کے ولیموں میں شریک نظر آئیں گے اور اخبارات میں فوٹو چھپیں گے کہ فلاں حضرت بھی بیٹھے ہوئے ہیں، فلاں جماعت کے لیڈر بھی تشریف فرما ہیں، فلاں کے آدمی بھی آئے ہوئے ہیں ــــ اور اس طرح کے ولیموں میں جو کچھ منکرات ہوتی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ ان لوگوں کا جو رویّہ ہے، جو کردار ہے اور ہماری پوری اجتماعی زندگی کے اندر جو زہر وہ گھول رہے ہیں اس سب سے صرفِ نظر کرکے صرف وقتی سیاست کے پیشِ نظر، کسی وقت کسی کی ٹانگ گھسیٹنے کی خاطر ان کے ساتھ اتحاد ہو جائے گا اور کوئی تفریق نہیں ہوگی کہ اس کا نظریہ کیا ہے، اس کا رہن سہن کیسا ہے، اس کا ذریعۂ معاش کیا ہے، اس کے ہاں پردہ ہے یا بے پردگی ہے، کوئی پروا نہیں! حدیث کے الفاظ "وَوَاکَلُوْھُمْ وَشَارَبُوْھُمْ" کے مصداق انہی کی ہم جلیسی، انہی کے ساتھ کھانا پینا، سماجی تقریبات میں ان کے ساتھ شرکت اور سیاسی اتحادوں میں ان کے ساتھ جمع ہو جانا یہ

ساری روش اس مطلوب طرزِ عمل کی بالکل ضد ہے۔ اگر ہم اپنی روش تبدیل نہیں کرینگے تو پھر محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہم اللہ کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ جیسا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ لازماً تم پر بھی لعنت کرے گا جیسے اس نے لعنت فرمائی تھی بنی اسرائیل پر۔ اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتی ہو تو بنی اسرائیل کو بھی بڑا فخر تھا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں، ہم موسیٰؑ کے امتی ہیں، ہم تورات کے ماننے والے ہیں، نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ، کہ ہم تو اللہ کے بیٹوں کے مانند ہیں اس کے بڑے لاڈلے اور چہیتے ہیں —— لیکن ان کا یہ چہیتا اور لاڈلا ہونے کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کے عدل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنا۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ (ان پر مسلط کر دی گئی ذلت اور محتاجی اور وہ پھرے اللہ کا غضب لے کر)۔

اگلی آیات میں ان کے مجلسی روابط کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

تم دیکھو گے ان میں سے بہت سوں کو کہ دوستی اختیار کرتے ہیں انہی کی جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی۔

انہی کے ساتھ مجلسی روابط ہیں، انہی سے دوستیاں استوار ہو رہی ہیں اور محبت کی پینگیں بڑھائی جا رہی ہیں۔ اس دور میں ہماری دینی جماعتوں کے اتحاد اور گٹھ جوڑ اُن لوگوں کے ساتھ ہو رہے ہیں جن کا دین و مذہب کے ساتھ سرے سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو برملا کہہ رہے ہیں کہ ہم اللہ کو نہیں مانتے۔ یہ گویا کہ بہت بڑا اجتماعی جُرم ہے کہ کسی کے عقائد و نظریات افعالُ کردار اور شخصیت و کردار کی تمیز کیے بغیر اس سے روابط بڑھا لیے جائیں۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

بہت بُری ہے وہ کمائی جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے۔

یعنی ان کے اس طرزِ عمل کے نتیجے میں اللہ کے ہاں ان کے لیے جو کچھ جمع ہو رہا ہے بہت بُرا ہے۔ اور وہ کیا ہے ہ

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○

وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

بنی اسرائیل اپنے کرتوتوں کی بنا پر اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ ان کے لیے قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر "وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" کے الفاظ آتے ہیں اور یہاں انہیں 'خلود فی العذاب' کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے عذاب تو خالص کفار کے لیے ہوگا اور جو کوئی تھوڑا سا ایمان بھی رکھتا ہو اس کے لیے دائمی عذاب نہیں ہے۔ لیکن یہاں یہ سزا علمائے یہود کے لیے فرمائی جارہی ہے گویا ان کے طرز عمل سے درحقیقت ان کے ایمان کی نفی ہو رہی ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ

اور اگر وہ (واقعۃً) ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور اس شے پر جو اس پر نازل کی گئی۔

مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ

وہ انہیں اپنا دوست نہ بناتے۔

جو سمجھتے ہیں کہ ہم صاحب ایمان ہیں، اگر وہ واقعۃً ایمان رکھتے ہوتے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستیاں گانٹھتے اور ان سے مجلسی روابط استوار کرتے۔ ایمان کے اندر تو غیرت ہوتی ہے جو کسی درجے میں بھی ایسی بات برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان کی اکثریت فساق و فجار پر مشتمل ہے۔

سورۃ المائدہ کے یہ دو مقامات اور ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ کی روایت کردہ یہ دو احادیث جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں، ان میں بلاشبہ ہمارے لیے ہدایت و رہنمائی کے خزانے مضمر ہیں۔ آپ انہیں خود بھی پڑھیے اور انہیں دوسروں تک بھی پہنچایئے، انہیں عام کیجیے! اور اللہ کرے کہ یہ آیات اور احادیث اُن حضرات کے کانوں تک بھی پہنچ جائیں جو دین و مذہب کے نام لیوا ہیں اور وہ ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کے بارے میں کچھ غور کریں۔ ان دینی جماعتوں کی حالت دیکھ کر بالخصوص شدید صدمہ ہوتا ہے جو فی الوقت پاور پالیٹکس میں

دائیں یا بائیں بازو کی بڑی سیاسی جماعتوں کے ضمیمے بنی ہوئی ہیں، جبکہ انہیں معلوم بھی ہے کہ فریقین میں انیس بیس سے زیادہ کا فرق نہیں ہے۔ وہی سرمایہ دار، جاگیر دار اور زمیندار اِدھر بھی ہیں اور اُدھر بھی ——— اور ان کے لچھن، ان کے طرزِ معاشرت، ان کی تہذیب اور ان کی اقدار میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ یہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مینڈکوں کی طرح پھدکتے رہتے ہیں، یا آجکل کی اصطلاح میں ہارس ٹریڈنگ ہو رہی ہے۔ لیکن مذہبی جماعتیں اِدھر یا اُدھر نتھی ہو کر اور اپنی طاقت ان کے پلڑوں میں ڈال کر خود اپنی منزل کھوٹی کرتی ہیں۔ مذہبی جماعتوں کے کرنے کا اصل کام تو، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، فریضہ نہی عن المنکر کی ادائیگی ہے۔

## ایک اچھی مثال

اس سلسلے میں گزشتہ دنوں کچھ اچھی خبریں آئی تھیں اور بعض حلقوں کی طرف سے نہی عن المنکر کے ضمن میں زوردار موقف اختیار کیا گیا۔ کَثَّرَ اللّٰهُ اَمْثَالَهُمْ (اللہ کرے کہ ان کی مثالیں اور بڑھیں!) اور مجھے اس پر خوشی ہے کہ کم از کم جماعت اسلامی نے تو اس سلسلے میں ڈٹ کر موقف اختیار کیا۔ اس اقدام کی جو برکتیں ظاہر ہو رہی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ بھارتی طائفے کی آمد رُک گئی ہے اور سالِ نو کے جشن کے عنوان سے بڑے بڑے ہوٹلوں میں طوفانِ بدتمیزی کے جو مظاہرے ہوا کرتے تھے، وہ اب لوگوں کی اپنی کوٹھیوں کے اندر محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور اس موقع پر بعض ایسی تنظیموں کی طرف سے بھی جماعت کا ساتھ دینے کا اعلان آ گیا تھا جن کے نہ صرف افکار و نظریات ان سے مختلف ہیں، بلکہ اُس وقت ان کے مابین شدید کشیدگی بھی تھی۔ چنانچہ اس سے اس بات کا ثبوت بھی مل گیا کہ یہی راستہ دینی جماعتوں کو مجتمع کرنے کا راستہ ہے!!

بعض حضرات تبلیغی جماعت سے بڑی مایوسی کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو سیاست کی بات بھی کرنے کو تیار نہیں، اور مسلمانوں پر اگر کہیں کوئی ظلم ہوتا ہے تو اس پر بھی کوئی آواز اٹھانے کے روادار نہیں۔ یہ بات اگرچہ بنیادی طور پر غلط نہیں ہے، انہوں نے بطور پالیسی یہ روش اختیار کی ہے اور وہ نہی عن المنکر سے صرفِ نظر کر کے صرف امر بالمعروف کا کام کیے جا رہے ہیں ———

اور میں ابھی قرآن حکیم کے نو مقامات کے حوالے سے ان کی اس غلطی کو واضح بھی کر چکا ہوں —
لیکن جو کام یہ کر رہے ہیں وہ بھی رائیگاں جانے والا نہیں ہے۔ یہ خیر و شر اور حلال و حرام کا شعور
تو پیدا کر رہے ہیں۔ مجھے یقین حاصل ہے کہ اس معاشرے میں اگر کوئی ایسی قوت پیدا ہو جائے
جو نہی عن المنکر کو طاقت کے ساتھ کرنے کے لیے میدان میں آئے، تو تبلیغی جماعت کے ساتھ
عوام کی جو طاقت ہے' ان کی بہت بڑی تعداد اس کام میں شریک ہو جائے گی۔ تحریک نظامِ
مصطفےٰ میں بھی تو تبلیغی جماعت سے وابستہ بہت سے نوجوان میدان میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔
اور میں آپ کو اسی تحریک کا وہ واقعہ یاد دلاتا ہوں جب لاہور کے نیلا گنبد چوک میں تبلیغی جماعت
کا ایک نوجوان بار بار کی وارننگ کے باوجود سینہ تانے آگے بڑھتا رہا اور بالآخر سینے میں گولی کھا
کر جامِ شہادت نوش کر گیا۔ ان واقعات میں انسان کے لیے عبرت کا وافر سامان پوشیدہ ہوتا ہے۔
اس ملک میں ۱۹۸۲ء میں میرے حوالے سے بعض مغرب زدہ خواتین نے جو ہنگامہ کھڑا
کیا تھا، مجھے اُسی وقت اس حقیقت کا تجربہ ہو گیا تھا کہ اگر واقعۃً کوئی جماعت نہی عن المنکر کا کام
کرنے کے لیے کھڑی ہو جائے تو تمام مذہبی مکاتبِ فکر ساتھ دیں گے۔ اس لیے کہ ہمارا معاشرہ
اگرچہ عملی طور پر انحطاط کا شکار ہے لیکن ہماری چودہ سو برس کی تاریخ نے ہمارا جو اجتماعی ذہن
بنایا ہے اس کے تحت الشعور میں معروف اور منکر کے صحیح تصورات موجود ہیں۔ چنانچہ اُس موقع پر
تمام مکاتبِ فکر کی مساجد سے میری تائید ہوئی، جماعتِ اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد صاحب نے
میرے حق میں حیدر آباد سندھ میں تقریر کی، اور کراچی میں جماعت اسلامی کے حلقہ خواتین کی طرف
سے مغرب زدہ خواتین کے جلوس کے جواب میں باپردہ خواتین کا کئی گنا بڑا جلوس نکالا گیا تو اُس
وقت یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی تھی کہ ع "ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!" لیکن اس
کے لیے ضرورت اس بات کی ہے ایک جماعت ایسی ہو جو منکرات کے خلاف میدانِ عمل میں
آنے والوں کو کنٹرول میں رکھ سکے۔ یہ نہ ہو کہیں ع "دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد" کی صورت پیدا ہو
جائے! جب تک یہ شکل نہ ہو جائے اس وقت تک میدان میں آنے کے مثبت نتائج نہیں نکل
سکتے، بلکہ اس سے جو سیاسی بے چینی پیدا ہو گی اس سے کچھ اور لوگ فائدہ اٹھا لے جائیں گے،
جو ملحد و بے دین بھی ہو سکتے ہیں اور ملک و قوم کے دشمن بھی!!

## دو مزید احادیث

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت کے ضمن میں مزید دو احادیث کا مطالعہ کر لیجیے۔ میرے خطابات میں ان احادیث کا ذکر بار بار آیا ہے۔ "مسلمانوں کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل" میں بھی ان کا تذکرہ ہے، لیکن وہاں متن موجود نہیں ہے۔ یہاں ہم متن کے ساتھ ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ:

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا

جو کوئی بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے

فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ

تو وہ اپنے ہاتھ سے اسے بدلے!

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ

اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس برائی کو روکے!)

اس کو ذرا اچھی طرح نوٹ کر لیجیے کہ نہی عن المنکر کے جن دو درجوں کا بیان یہاں ہوا ہے ان میں سے پہلا درجہ ہے 'نہی عن المنکر بالید' کا ـــــ یعنی کوئی برائی نظر آئے تو "زوردست و ضربِ کاری" سے اس کا قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس برائی سے نمٹنے کے لیے مؤثر قوت موجود ہو۔ بصورتِ دیگر بندۂ مومن کا فرض ہے کہ وہ اس قوت کے حصول کے لیے کوشاں ہو ـــــ اور اس کے ساتھ ہی 'نہی عن المنکر باللسان' کا فریضہ ادا کرے۔ یعنی زبان سے لوگوں کو روکا جائے کہ خدا کے لیے اس سے باز آجاؤ، اسے چھوڑ دو۔ زبانی مدافعت میں قلم بھی داخل ہے۔ اس مقصد کے لیے کتابیں اور رسالے شائع کیے جائیں۔ نشر و اشاعت کے دوسرے ذرائع بھی بروئے کار لائے جائیں۔ آج نہی

عن المنکر باللسان کا ایک بہت بڑا ذریعہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس ہیں۔ آپ گفتگو اور تقاریر کو اس ذریعے سے عام کر سکتے ہیں۔ اس طرح ایک ہی مقرر کی کوئی تقریر دُور دُور تک پہنچ سکتی ہے۔ آج میں یہاں جو تقریر کر رہا ہوں، ہو سکتا ہے کہ کل ہمارے کوئی دوست اس کا کیسٹ لے کر امریکہ یا آسٹریلیا پہنچ جائیں۔ ہمیں پتہ بھی نہیں ہو گا اور یہ کیسٹ وہاں پھیل رہا ہو گا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس وقت میرے دروس و خطابات کے کیسٹ لاکھوں کی تعداد میں پوری دنیا میں گردش میں ہیں۔ میں نے حال ہی میں 'حکمتِ قرآن' کا جنوری فروری ۹۰ء کا جو مشترکہ شمارہ شائع کیا ہے، اس میں دعوت رجوع الی القرآن کی ایک پوری تاریخ بیان کر دی ہے[۱]۔ میں اس کے بارے میں بھی خاص طور پر عرض کروں گا کہ جس شخص کو بھی ہمارے اس کام سے کوئی عملی دلچسپی ہے وہ اس شمارے کو ضرور پڑھے اور اس کے مندرجات پر سنجیدگی سے غور کرے! اس میں پوری تاریخ بیان کی گئی ہے کہ اُمّت کا تعلق قرآن سے کیوں کمزور پڑا، پھر یہ کہ قرآن کی طرف رجوع کا دوبارہ آغاز کب ہوا۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام ہے۔ اس کے بعد اب تفسیرِ قرآن کے جو سلسلے چل رہے ہیں وہ کون کون سے ہیں —— اور اس راستے میں انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کی خدمات کیا ہیں۔ یہ ساری داستان آپ کو اس ایک پرچے میں مل جائے گی۔ اور اس وقت میرا ذہن اس کی طرف اس لیے منتقل ہوا کہ میں نے اس میں لکھا ہے کہ میں مطمئن ہوں کہ میں نے اپنی عمر اور اپنی صلاحیتیں اس کام میں لگائی ہیں۔ مجھے یہ کام کرتے ہوئے پورے پچیس برس ہو گئے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں میں اس شہر کراچی سے منتقل ہو کر اپنے اس کام کو شروع کرنے کے لیے لاہور گیا تھا۔ اب ۱۹۹۰ء آ گیا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے میری عمر کی ربع صدی بیت چکی ہے کہ قرآن حکیم کا پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا سکھانا ہی میرا اصل شغلہ رہا ہے۔ ان میں سے چھ سال (۶۵ء تا ۷۱ء) ایسے ہیں کہ ساتھ مطب بھی چل رہا تھا۔ فروری ۷۱ء میں میں نے حرم شریف میں بیٹھ کر یہ طے کیا کہ اب ہمہ وقت یہی کام کروں گا۔ چنانچہ میں نے مطب بند کیا،

---

[۱] 'حکمتِ قرآن' کے مذکورہ شمارے کے مندرجات محترم ڈاکٹر صاحب کی تازہ تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ (مرتب)

پریکٹس چھوڑی اور اُس وقت کے بعد سے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا کوئی لمحہ بھی فکرِ معاش میں بسر نہیں ہوا۔ میں نے اپنی ساری توانائیاں اور قوتیں اسی کام میں لگائی ہیں۔ اور آج مجھے بڑا اطمینان ہے کہ میرے یہ دروسِ قرآن دنیا کے کونے کونے میں سُنے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے فضل وکرم سے میرے اپنے تین بچوں سمیت پچیس تیس اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اب اسی انداز میں درس دے رہے ہیں۔ میرا یہ کام الحمد للہ جاری رہے گا اور یہ بات بڑھتی رہے گی پھیلتی رہے گی، لوگوں تک پہنچتی رہے گی۔ اور ہمیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ کہاں کہاں تک یہ باتیں پہنچ رہی ہیں۔

میں نے اس پرچے میں لکھا ہے کہ میں اکتوبر ۸۹ء کے اواخر میں جب حیدر آباد دکن گیا، وہاں ایک روز میری تقریر ہوئی، جس کے کیسٹ رات بھر تیار کیے گئے۔ اگلے روز جب میری تقریر ہوئی تو سات سو کیسٹ تیار ہو سکے تھے، جو سب کے سب فروخت ہو گئے۔ اور یہ کیسٹ وہ شے ہے جو تین منٹ میں کاپی ہو جاتا ہے۔ نہ معلوم اس سے آگے کتنی جگہ پر بات پہنچ رہی ہو گی۔ اور گزشتہ رات ہمارے ایک ساتھی نے بتایا کہ وہاں میں نے سیرت النبیؐ کے جلسے میں جو تقریر کی تھی، جس میں ڈیڑھ پونے دو لاکھ سامعین تھے، قریباً ڈیڑھ گھنٹے کی اس تقریر میں سے پندرہ منٹ کی تقریر دوردرشن (ٹیلی ویژن) کے نیٹ ورک پر پورے انڈیا میں دکھائی گئی۔ تو یہ بات تو ان شاء اللہ پھیلتی رہے گی۔ میں اگرچہ بڑھاپے میں قدم رکھ چکا ہوں اور اکثر علیل رہتا ہوں، لیکن بہر حال جب تک جان میں جان ہے اور جب تک بھی یہ اعضاء و جوارح ساتھ دے رہے ہیں یہی کام کرنا ہے، اللہ کے اس پیغام کو پہنچانا ہے۔ نہی عن المنکر باللسان کا یہ کام کرتے رہنا ہے۔ ہم غلط کو غلط کہیں گے، حرام کو حرام کہیں گے، خواہ کسی کو کتنا ہی ناگوار گزرے! کسی کو نہیں سُننا ہے، نہ سُنے! اجمہ چھوڑ کر جاتا ہے، چلا جائے! الحمد للہ اس معاملے میں مجھے تعداد کی کوئی فکر نہیں ہوتی، لیکن بات وہی کہنی ہے جو صحیح ہو۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ آج تک یہ سوال کبھی میرے سامنے نہیں آیا کہ میری بات سے کون راضی ہے، کون ناراض!! البتہ میں نے ہر بات کہنے سے پہلے یہ ضرور سوچا ہے کہ آیا میرا اللہ اس پر راضی ہو گا یا ناراض۔ یا یہ سوچا ہے کہ میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ اس کے سوا تیسری بات کبھی سامنے نہیں آئی۔

علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے لفظ "صحابہؓ" استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دونوں لفظ جمع فرما دیئے۔ اب نوٹ کیجئے کہ انبیاء کے حواری اور اصحاب کرتے کیا تھے:

يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ

وہ اس کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے

یہ حواری اور اصحاب اپنے نبیؑ کی اقتدا کرتے تھے، پیروی کرتے تھے۔ جیسے نماز میں ایک امام ہوتا ہے اور اس کے پیچھے مقتدی اس کی پیروی کرتے ہیں۔

ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ

پھر (ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ) ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آ جاتے تھے ——

جیسے ہم ہیں، جیسے آج کی امتِ مسلمہ ہے۔ یہ ناخلف لوگ کیا کرتے تھے؟ یہاں بھی حضورؐ نے دو ہی باتیں بیان فرمائیں:

يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ

کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے —— اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔

مثلاً بدعات، نئی نئی رسومات اور نئی نئی چیزیں ایجاد کر لی جاتی رہی ہیں، جن کا اللہ کی کتاب میں کوئی حکم ہے نہ اس کے رسولؐ کی سُنّت اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل میں ان کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسولؐ سے وفاداری کے زبانی دعوے جو ہیں وہ بہت بلند بانگ ہیں۔ اس طرزِ عمل کے بارے میں سورۃ الصف میں فرمایا گیا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ "اے مسلمانو، کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟" لیکن کہنے میں کیا جاتا ہے، حضورؐ کے عشق کے دعوے کیجئے، عشقِ رسولؐ کے اظہار کے لیے بڑی لمبی چوڑی نعتیں پڑھ لیجئے —— کیا گیا؟ کچھ بھی نہیں! محض زبان ہلا دینا تو بہت آسان ہے —— چنانچہ ان لوگوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ آگے آپؐ نے فرمایا:

فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

تو جو شخص ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے تو وہ مومن ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے وہ مومن ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنے دل سے وہ بھی مومن ہے۔

وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ

اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!

گویا کہ احساس ہی نہیں رہا منکرات پھیل رہے ہیں، بے حیائی عام ہو رہی ہے، بدعات پھیل رہی ہیں رسومات کے طومار پر طومار ہیں۔ اور جو کچھ آجکل شادیوں میں ہو رہا ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ یہ سب ہو رہا ہے اور ہمارے احساسات کے اوپر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ معلوم ہوا کہ ہم "وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ" کے زمرے میں آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور ہمیں اپنے ایمان کی تجدید کی توفیق عطا فرمائے۔

## کیا مسلمان حکمران کے خلاف خروج جائز ہے

اب یہاں اس حدیث کی رُو سے جو ایک اہم مسئلہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے عام طور پر سُنی مسلمانوں میں ایک خیال عام ہو گیا ہے کہ اصحاب اقتدار خواہ کتنے ہی فاسق و فاجر اور ظالم و جابر ہوں، اُن کے طور طریقے خواہ کیسے ہی ہوں، اُن کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ آپ کو کفر کا حکم نہ دیں۔ اصل میں بعض احادیث اس مضمون کی ہیں کہ جب تک کفر بواح کا حکم نہ دیا جائے بغاوت نہیں ہو سکتی۔ ان احادیث کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا اور عام طور پر اہلِ سنّت میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ شاید خروج کسی شکل میں جائز نہیں! اور میں اسی کا نتیجہ اس وقت کی سُنی دنیا میں دیکھ رہا ہوں کہ بدترین جبر و استبداد کے باوجود کہیں بیداری کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ میرے لیے آجکل یہ مسئلہ بڑے گہرے غور و فکر کا موجب ہو گیا ہے کہ اگرچہ دنیا میں سنیوں کے مقابلے میں شیعہ تعداد کے اعتبار سے ۱۰۰/۱ بھی نہیں ہیں، لیکن اس صدی میں اگر کہیں انقلاب برپا کیا تو شیعوں نے کیا ——

ایک بڑی مستحکم بادشاہت کا تختہ اُلٹا اور اپنی فقہ کے مطابق ایک نظام قائم کر لیا۔ جبکہ دوسری طرف موریطانیہ سے لے کر انڈونیشیا تک پوری سُنّی دنیا میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور الاخوان المسلمون جیسی عظیم تحریکوں کی موجودگی کے باوجود کہیں بھی انقلاب کے کوئی آثار ابھی دُور دُور تک دکھائی نہیں دیتے۔ آخر اس کا کوئی سبب تو ہے! غور طلب مسئلہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سُنّی مسلمان سُنّ ہو کر کیوں رہ گئے ہیں؟ یہ بڑا احساس مسئلہ (SENSITIVE ISSUE) ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا میں نے آج تک اس پر کبھی گفتگو نہیں کی ہے — لیکن کچھ دنوں سے میں شدت کے ساتھ سوچ رہا ہوں کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ لازمی طور پر فکر اور نظریے کے اندر کہیں کوئی خامی موجود ہے! مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ معاشی مسئلے پر کھڑے ہو جائیں گے، سیاسی مسئلے پر کھڑے ہو جائیں گے، کسی کی ٹانگ گھسیٹنے کو جمع ہو جائیں گے، سینکڑوں لوگ جانیں بھی دے دیں گے، لیکن استحصالی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے کوئی منظم کوشش کہیں نظر نہیں آتی۔ ایسی منظم کوشش اسی دَور میں ایرانیوں نے کر کے دکھا دی ہے۔ جیسا کچھ بھی اُن کا دین ہے، جو بھی اُن کی فقہ ہے اور جو بھی اُن کے تصوّرات ہیں اُن سے ہمیں لاکھ اختلاف سہی، لیکن انہوں نے اسے نافذ تو کر کے دکھا دیا ہے۔ اور ہم نے کیا کیا؟ ہمارے ہاں بادشاہتیں چل رہی ہیں، ان بادشاہوں کے لیے ایک ایک محل کی تعمیر پر اربوں ڈالر صرف ہوتے ہیں، جہاں بادشاہ سلامت کو سال بھر میں زیادہ سے زیادہ چار چھ دن قیام کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ آپ اُسی ملک کے اندر جا کر دیکھیے کہ انسان بالکل حیوانوں کی طرح رہتے ہوئے بھی نظر آئیں گے۔ تو یہ نظام ہمارے ہاں کیوں نہیں بدل رہا؟

ان دنوں خاص طور سے مجھ پر یہ سوچ جو بہت زیادہ طاری ہے تو اس کی وجہ بھی میں بیان کیے دیتا ہوں۔ گزشتہ دنوں جب جہادِ افغانستان بڑی شدت کے ساتھ جاری تھا اور روسی افواج ابھی افغانستان سے نہیں نکلی تھیں اُس وقت ایک بات متواتر سننے میں آ رہی تھی کہ روسی ترکستان کی ریاستوں سمرقند و بخارا وغیرہ میں جہادِ افغانستان کے اثرات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں، ان میں دینی جذبات زندہ ہو رہے ہیں — اور ان شاء اللہ روس کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور افغانستان میں اس کی مداخلت کے نتیجے میں ان تمام ریاستوں میں بغاوت

ہو جائے گی۔ لیکن میں حیران ہوں کہ بغاوت ہوئی تو سب سے پہلے یورپی علاقوں میں ہوئی۔ روس کی گرفت ذرا کمزور پڑی تو یورپ میں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور چوتھا ملک روسی استبداد کی زنجیریں توڑتا نظر آیا۔ پھر یہ کہ روس کی اپنی ریاستوں مثلاً بالٹک سٹیٹس، لیتھوانیا وغیرہ کے اندر بغاوت ہو گئی ——— گورباچوف نے جا کر معافیاں مانگی ہیں، خوشامدیں کی ہیں کہ ہم روسی دستور میں طلاق کا حق "رکھ دیتے ہیں، خدا کے لیے اس وقت علیحدہ نہ ہوں، آئندہ کے کسی مرحلے کے لیے ہم باقاعدہ دستوری راستہ کھول دیں گے۔ لیکن انہوں نے اس کی ایک نہیں مانی! اس کے بعد اگر کوئی بغاوت کی خبر سننے کو ملی تو آذربائیجان سے جہاں شیعہ مسلمان آباد ہیں۔ یہ سُنی ریاستیں ساری سُن پڑی ہوئی ہیں اور ابھی تک ان میں کہیں سے بیداری کی کوئی لہر نہیں اٹھی اور دورِ حاضر کا اتنا عظیم جہاد، جہادِ افغانستان بھی اُن کے تنِ مُردہ میں جان نہ ڈال سکا، جس نے ؎ "جی اُٹھے مُردے تری آواز سے" کے مصداق کشمیریوں تک کو زندہ کر دیا، جن کے بارے میں "تیسی تے تُس کرسی" کا لطیفہ مشہور ہے!

میرے اپنے غور و فکر کی حد تک اس کی وجہ یہی ہے کہ سُنّی اسلام میں کچھ علما نے اس خیال کو عام کر دیا ہے کہ حاکموں کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی۔ حاکم چاہے کیسا بھی ہو جب تک وہ آپ کو کفر کا حکم نہ دے آپ اس کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے محل میں شراب نوشی کرتا ہو، بدمعاشی کرتا ہو، کرتا رہے۔ لیکن بغاوت صرف اس وقت ہو سکتی ہے جب وہ آپ کو کفر کا حکم دے۔ اس خیال نے سُنی تصورات کے اندر ایک طرح کا انفعالی (PASSIVE) انداز پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ جو چیلنج کرنے والا ACTIVE انداز ہے، وہ آج ہمیں پوری سُنی دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ حالاں کہ حکمرانوں کے طرزِ عمل پر گرفت کرنے کے سلسلے میں اس صحیح حدیث کے الفاظ کس قدر واضح اور دو ٹوک ہیں۔ لیکن حدیث کے ضمن میں اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ ایک حدیث پر توجہ کو مرتکز کر دیا جاتا ہے اور دوسری کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، پورے ذخیرۂ احادیث پر متوازن انداز میں نظر نہیں رکھی جاتی۔ غور کیجیے کہ احادیث میں جہاں وہ حدیث موجود ہے کہ جب تک اربابِ اقتدار کفرِ بواح کا حکم نہ دیں، آپ ان کے خلاف

بغاوت نہیں کرسکتے، وہاں ایسی احادیث بھی تو موجود ہیں کہ جب ایسے لوگ برسرِ اقتدار ہوں جن کی روش یہ ہو کہ "یقولون مالا یفعلون و یفعلون مالا یؤمرون"[1] تو ان کے خلاف بندۂ مومن کا ردِ عمل کیا ہونا چاہیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن! اگر بغاوت نہیں ہوسکتی تو یہ جہاد بالید کس شے کا نام ہے؟ اگر ان کے اختیارات کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا تو یہ الفاظ حضورؐ نے کیوں استعمال کیے؟ فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن، ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن، ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن، ولیس وراء ذلك من الایمان حبۃ خردل۔

ہمارے ہاں اس فکر کو دراصل عام طور پر اہلحدیث علماء نے عام کیا ہے، ورنہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہی ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہوسکتی ہے۔ علماءِ حدیث اور فقہاء میں یہی تو فرق ہے کہ عالمِ حدیث کی زیادہ توجہ حدیث کے الفاظ پر ہوتی ہے، جبکہ فقیہ حدیث کے مفہوم کو مرکزِ توجہ بناتا ہے۔ وہ احادیث کو جمع کرتا ہے، ان کا تقابل کرتا ہے اور پھر کوئی نتیجہ نکالتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو پہلے بچانے کی کوشش کیجیے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زبانی طور پر کیجیے۔ اگر اس کا اثر نہ ہو تو پھر تلوار کے ذریعے سے انہیں سیدھا کیجیے۔ چنانچہ فقہ حنفی کے اندر اس بات کی اجازت موجود ہے۔ البتہ امام صاحبؒ نے اس کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ طاقت اتنی فراہم ہو جانی چاہیے کہ کامیابی یقینی ہو جائے، یا کم از کم اس کا ۵۱ فیصد امکان ہو۔ یہ نہیں کہ چند آدمی کھڑے ہو کر نعرہ لگائیں اور پھانسی چڑھ جائیں۔ اور بات ختم ہو جائے۔ بلکہ پہلے دعوت، تنظیم اور تربیت کے ذریعے آپ ایسی منظم قوت فراہم کرلیں،

---

[1] حضرت ابن مسعودؓ ہی سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں: سیکون امراء بعدی یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون (مسند احمد، حدیث ۴۳۶۳) ترجمہ: "عنقریب میرے بعد ایسے امراء (حکام) آئیں گے جو کہیں گے وہ بات جس پر عمل نہیں کریں گے اور کریں گے وہ کچھ جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔"

پھر آپ انتہائی قدم بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے دین میں بغاوت حرام نہیں ہے۔ اس معاملے میں میری رائے میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف کتاب وسنت سے اقرب ہے۔

اس دَور میں جیسا کہ اس سے پہلے بھی تفصیلاً عرض کیا جا چکا ہے، بغاوت کا ایک بدل ALTERNATIVE سامنے آیا ہے اور اب طاقت کا استعمال مسلح تصادم کے بغیر بھی ممکن ہے۔ وہ یہ کہ میدان میں نکل کر اس طرح کے بھرپور مظاہرے اور PICKETING کرنا کہ حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑ جائیں! آپ کو یاد ہوگا کہ ضیاء الحق صاحب کے مارشل لاء کو ابھی صرف تین برس بھی نہیں ہوئے تھے، جب اہلِ تشیع نے سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کر لیا تھا اور اس جاندار مارشل لاء کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ناک رگڑوالی تھی۔ اسے ان کے تمام مطالبات ماننے پڑے تھے اور ایرانی شیعوں نے تو اس دَور کی سب سے بڑی مثال قائم کر کے دکھا دی۔ انہوں نے منظم مظاہرے کیے، لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے اور ہزاروں کی تعداد میں جانیں قربان کر دیں۔ خاص طور پر اس روز جس دن شاہ نے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا، کئی ہزار ایرانیوں کے لاشے میدان میں پڑے تڑپ رہے تھے ـــــ اور شہنشاہِ ایران کو اپنی لاکھوں کی فوج اور حلیفوں کی حمایت کے باوجود اس طرح راہِ فرار اختیار کرنا پڑی کہ ع

دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں!



## نہی عن المنکر میں اوّلین ہدف ـــــ فتنۃ النساء

ہم اپنے معاشرے میں پھیلے ہوئے منکرات کا جائزہ لیں تو ان میں ایک بہت بڑا منکر آزادیٔ نسواں کا فتنہ ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرُّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ (متفق علیہ)

"مَیں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ نقصان دہ فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔"

ہمارے معاشرے میں اس "فتنۃ النساء" نے درحقیقت بہت سی گندگی پھیلائی ہے۔ عورتوں کا نشوز، ان کا تبرج، ان کا بن سنور کر نکلنا اور اخبارات کا ایسی حیاباختہ عورتوں کی تصویروں کو گھر گھر پہنچانے کا بیڑا اُٹھالینا واقعۃً اس وقت ہمارے معاشرے کا ایک بہت تباہ کن فتنہ ہے اور یہ ایسا بڑا منکر ہے جس کے خلاف اقدام کی ضرورت ہے۔ نہی عن المنکر کے ضمن میں یہ بات جان لیجئے کہ ہمیں یقیناً ایک تدریج سے چلنا ہو گا اور اس تدریج میں سب سے مقدم اس فتنۃ النساء کی سرکوبی ہے، اس لیے کہ معاشرے کے اندر سب سے زیادہ اثر اسی کا پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں دوسرے منکرات بھی موجود ہیں اور ہمیں ان سب سے نبرد آزما ہونا ہے۔ مثال کے طور پر سُود ایک بہت بڑا منکر ہے، زمینداریاں، جاگیرداریاں اور تقسیم دولت کا غلط نظام یہ سب ایسے منکرات ہیں جن کی بیخ کنی کرنا ہے لیکن چونکہ ہمارے دین میں سب سے زیادہ تفصیلات عائلی قوانین اور نظامِ معاشرت کے بارے میں ہیں اور یہ معاملہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے لہٰذا اوّلین ترجیح اسی کو حاصل ہو گی۔ اور اسلام کا عائلی اور معاشرتی نظام ہی وہ چیز ہے جسے ہمارے عوام سب سے زیادہ جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں۔ لہٰذا منکرات کے خلاف ہماری تحریک مزاحمت (RESISTANCE MOVEMENT) جب بھی اُٹھے گی اس کا آغاز اسی سے ہو گا!

پچھلے دنوں ہمارے ہاں اس فتنۃ النساء کے بعض ایسے مظاہر سامنے آتے ہیں جو ایک عجیب تضاد کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک طرف تو عورتوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں برابری کے حقوق دیئے جائیں مثلاً میڈیکل کالجوں میں داخلہ اوپن میرٹ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اگر لڑکی کے نمبر زیادہ ہیں تو اس کا حق ہے کہ اس کو داخلہ ملے۔ یورپ کی نقالی میں مساواتِ مرد و زن کا مطالبہ کرنے والی خواتین کو اس مساوات کا نمونہ یورپ میں جاکر دیکھنا چاہیے کہ کوئی بوڑھی نحیف عورت بس میں کھڑی ہو گی اور کوئی جوان آدمی بھی اس کے لیے اپنی سیٹ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو گا۔ وہاں کی عورت برابر کے حقوقِ شہریت رکھتی ہے اور اس کو اُس معاشرے میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں ملتی۔ لیکن ہمارے ہاں مساواتِ مرد و زن کے نعرے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف حال یہ ہے کہ اسمبلی میں خواتین کی نشستیں مخصوص کی جاتی ہیں۔ حالانکہ اگر برابری کا معاملہ ہے تو یہ کیوں میدان میں آکر الیکشن نہیں لڑتیں؟ اگر ان کے لیے مردوں کے شانہ بشانہ الیکشن

لڑنے کی اجازت بھی رکھی گئی ہے تو پھر ان کی علیحدہ نشستوں کے کیا معنی ؟ اگر بے نظیر عام الیکشن لڑ کر ایک سے زائد جگہ سے کامیاب ہو سکتی ہیں اور اگر عابدہ حسین مردوں کے مقابلے میں الیکشن جیت سکتی ہیں تو باقی خواتین اسی راستے سے کیوں نہیں آتیں ؟ اور آپ نے یہ طرفہ تماشا ملاحظہ کیا کہ اس نئی حکومت کے قیام سے لے کر اب تک حکومت اور اپوزیشن کے مابین جس واحد بات پر اتفاق رائے ہوا ہے وہ یہی ہے کہ عورتوں کی علیحدہ نشستوں کا معاملہ برقرار رکھا جائے ! ناطقہ سر بگریباں ہے . . . ! اس عرصے میں اور کسی پہلو سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، کسی اور معاملے پر حکومت اور اپوزیشن کا اتفاقِ رائے نہیں ہوا حتیٰ کہ اب تک کسی قسم کی کوئی قانون سازی بھی نہیں ہو سکی، لیکن اس ایک معاملے میں' جو اسلام کے مزاج کے صریحاً خلاف ہے' فریقین کا اتفاق رائے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے تمدنی تصورات میں کوئی فرق نہیں' ان کی ذہنیتیں ایک سی ہیں، حکومت ہو یا اپوزیشن جدید مغربی معاشرت اور مغربی تہذیب میں دونوں رنگے ہوتے ہیں' اور ان میں سے کسی کو بھی اسلامی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں' لہٰذا اس مسئلے پر ان میں اتفاق ہے۔ اور ہمارے مرحوم صدر ضیاء الحق صاحب نے تو عورتوں کی نشستیں ایک دم دوگنی کر دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے ! اور کمال یہ ہے کہ اگرچہ اس مسئلے پر مولانا سمیع الحق صاحب کا بیان آیا ہے اور انہوں نے اسے غیر اسلامی اور مغربی تہذیب کا مظہر قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ اس کے باوجود ہم مسلم لیگ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تو وہی روش ہوئی جس سے ان آیات اور احادیث میں روکا گیا ہے کہ غلط بات کو غلط بھی کہنا لیکن ساتھ پھر بھی دیتے رہنا۔ اگر یہ غلط ہے تو غلط کا ساتھ کاہے کو دے رہے ہیں ؟ ان سے ترکِ تعلق کیوں نہیں کرتے ؟

اس بارے میں میرا موقف بالکل واضح ہے اور میں بارہا اسے بیان کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اس طرح کی مخلوط اسمبلیوں میں کسی عورت کا رکنِ اسمبلی ہونا ہی اسلام کے خلاف ہے۔ اگر آپ عورت کے وزیر اعظم ہونے پر اعتراض کرتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ عورت کا وزیر ہونا بھی تو قابلِ اعتراض ہے۔ اس کا تو کام ہے کہ گھر کے اندر اپنی ذمہ داریاں سنبھالے۔ اسلام مرد اور عورت کے لیے الگ الگ دائرۂ کار متعین کرتا ہے۔ آپ خواتین کو اسمبلی میں لانا چاہتے

ہیں تو ان کے لیے علیحدہ اسمبلی بنادیں۔ خواتین ووٹر ہی خواتین ارکانِ اسمبلی کا انتخاب کریں اور وہ ان کی نمائندہ بن کر اپنی علیحدہ اسمبلی میں بیٹھیں۔ اور یہ طے کر دیا جائے کہ جو بھی قانون سازی ہو وہ پہلے مردوں کی اسمبلی سے پاس ہو اور اس کے بعد اگر اسے خواتین کی اسمبلی سے بھی اکثریت ملے تب وہ کامیاب قرار دی جائے۔ اسی طرح میڈیکل کی تعلیم کے لیے بھی خواتین کے علیحدہ کالج بنائے جائیں، جن کا اپنا میرٹ ہو۔ اس وقت ہمارے پاس اتنی خواتین پروفیسرز اور ڈاکٹرز موجود ہیں کہ وہ پورے پورے کالج چلا سکتی ہیں۔ اسی طرح خواتین کے ہسپتال بھی علیحدہ ہوں جہاں سے ان کی تعلیمی ضروریات پوری ہو سکیں۔ تاہم یہ سب کچھ اُسی وقت ہوگا جب مغربی تہذیب کا بھوت سر سے اُترے گا۔ لیکن اگر آپ اس کے لیے تیار نہیں تو ٹھیک ہے، انہیں ہر معاملے میں برابری کا حق دیجئے کہ پھر وہ کھلم کھلا میدان میں آکر الیکشن بھی لڑیں اور اوپن میرٹ پر داخلہ بھی حاصل کریں! بہرحال یہ دو طرفہ معاملہ قابلِ قبول نہیں ہے کہ ایک طرف تو اسمبلی کی سطح پر خواتین کی مخصوص نشستیں ہوں اور ان کا بالواسطہ (INDIRECT) الیکشن ہو رہا ہو، اور دوسری طرف میڈیکل کالجوں کے داخلے میں اوپن میرٹ کا معاملہ کیا جائے کہ لڑکے لڑکیاں سب کو برابری کی بنیاد پر داخلہ مل سکے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ ان طالبات کی اکثریت شادی کے بعد میڈیکل پروفیشن کو تج دیتی ہے۔ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جو پھر ساری عمر شادی نہیں کرتیں لیکن ظاہر بات ہے یہ ایک خلافِ فطرت زندگی ہے جو ہمارے دین کے مزاج کے یکسر خلاف ہے۔ اور یہ اُن چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے: مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ "جسے میری سنت پسند نہیں، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے"! معلوم ہوا کہ یہ چیزیں پسندیدہ نہیں ہیں۔ لیکن چلیے اگر یہی کچھ کرنا ہے تو آپ ہمیں دو طرفہ مار تو نہ ماریں۔! دین کے اعتبار سے تو یہ دونوں چیزیں غلط ہیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، یہ دو طرفہ پالیسی خود ان کے اپنے موقف اور اپنے معیارات کے اعتبار سے بھی تضاد پر مبنی ہے۔ اس تضاد کو رفع ہونا چاہیے۔!

مَیں نے یہاں اس کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ مولانا سمیع الحق صاحب نے اس کو غلط اور غیر اسلامی کہنے کے باوجود یہ بھی کہا کہ ہم ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح تو بُرائی

کو بُرائی کہنے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اللہ تعالےٰ مجھے سوئے ظن سے بچائے' یہ تو ایک ایسی کوشش معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف تو اس کھاتے میں بھی نام لکھوا دیا جائے کہ ہم نے بُرائی کو بُرائی کہا ہے لیکن دوسری طرف اپنی سیاسی مصلحت پر بھی آنچ نہ آئے۔ حدیثِ نبوی تو یہ بتا رہی ہے کہ بُرائی کو بُرائی کہہ دینا کافی نہیں ہے' بلکہ "وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ" کے مصداق جو لوگ بُرائی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں اُن سے قطع تعلق کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو پھر از روئے فرمانِ نبوی دل بھی باہم مل جائیں گے' جڑ جائیں گے۔ اور سب کے دلوں پر ایک سا رنگ چڑھ جائے گا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس سے بچائے!!

## عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ

یہ ہماری آج کی گفتگو کا آخری موضوع ہے۔ اس سلسلے میں مَیں نے قرآن حکیم کے دُو مقامات کا انتخاب کیا ہے' جن سے واضح ہوتا ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ کی طرف سے عذاب آتا ہے تو اُس عذاب سے صرف وہی لوگ بچائے جاتے ہیں جو آخری وقت تک نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ورنہ گیہوں کے ساتھ بالعموم گُھن بھی پس جاتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (الانفال: ۲۵) کہ لوگو' بچتے رہو اللہ کے اُس عذاب سے جو تم میں سے صرف انہی لوگوں کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا جو بدکار تھے۔ بلکہ جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو دوسرے لوگ بھی' جو اگرچہ اُس حرام خوری میں ملوث نہ ہوں' اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اس سے بچاؤ کی ضمانت صرف ان کے لیے ہے جو نہی عن المنکر کے فریضے کو آخری وقت تک سرانجام دیتے رہیں۔ چنانچہ فرمایا:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

(ھود: ۱۱۶)

"سو کیوں نہ ہوئے ان قوموں میں جو تم سے پہلے تھیں کچھ ایسے لوگ جن میں خیر کا اثر باقی رہ گیا تھا کہ وہ زمین میں فساد سے منع کرتے رہتے، مگر تھوڑے کہ جنہیں ہم نے بچا لیا اُن میں سے۔ اور پیچھے پڑے رہے ظالم اُسی چیز کے جس میں اُنہیں عیش ملا اور تھے وہ گناہ گار!"

یعنی پہلی قوموں میں سے جن لوگوں نے آخری دم تک یہ شرط پوری کی کہ وہ نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، اللہ نے انہیں عذاب سے بچا لیا۔ لیکن جن لوگوں نے یہ شرط پوری نہیں کی وہ اُسی عذاب یافتہ قوم کے ساتھ لپیٹ میں لے لیے گئے۔ اس آیت کا آخری ٹکڑا بڑا عجیب ہے۔ اگر آپ اپنے اس وقت کے معاشرے کو بھی دیکھیں تو وہی نقشہ نظر آئے گا جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ ـــــ "اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی وہ اسی طور طریقے کے پیچھے پڑے رہے جس میں انہیں دولت و ثروت حاصل ہوئی تھی۔" دن رات ایک ہی فکر ہے ایک ہی دُھن سوار ہے اور ایک ہی سوچ طاری ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لی جائے اور پھر اپنے اللوں تللوں، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں اسراف و تبذیر کے ذریعے اس دولت کی بھرپور نمائش کی جائے۔ فرمایا: وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ـــــ "اور وہ سب مجرم تھے"! اور اسی جرم کی پاداش میں ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ بہرحال اس وقت اس پوری آیت کا درس دینا مقصود نہیں، صرف اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ "کے اعتبار سے حوالہ دیا جا رہا ہے کہ ان میں بہت ہی قلیل تعداد میں وہ لوگ تھے جو برائی سے روکتے رہے اور انہی کو ہم نے نجات دے دی! یہی مضمون سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۶۵ میں بھی وارد ہوا ہے:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

"پس جب انہوں نے بھلا دیا اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی، تو نجات دی ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے بُرائی سے، اور پکڑا گنہگاروں کو بُرے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی کے!"

اس آیۂ مبارکہ میں یہود کے ایک قبیلے کا ذکر ہے جو ساحلِ سمندر پر آباد تھا۔ یہود کو سبت (ہفتہ) کا پورا دن یادِ الٰہی میں بسر کرنے کی ہدایت تھی اور اس روز ان کے لیے کسی دنیوی کاروبار کی اجازت نہ تھی۔ انہوں نے سبت کے قانون کو توڑنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کیا کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑتے تو نہیں تھے، لیکن سارا دن ساحل کے ساتھ ساتھ کھدائی کرتے رہتے اور بڑے بڑے گڑھے بنا کر ان میں سمندر کا پانی لے آتے تھے جس میں مچھلیاں بھی آجاتی تھیں۔ اگلے روز اتوار کو جا کر وہ ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے تھے۔ گویا کہ سبت کے قانون کے اصل مقصد یعنی عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، دعا و مناجات اور تلاوتِ کتابِ الٰہی کو یکسر نظر انداز کر کے اس کے بجائے سارا دن دنیا کے دھندے میں لگے رہتے، لیکن قانونی طور پر اس حیلے کا سہارا لیتے اور صاف صاف کہتے کہ ہم تو سبت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم ہفتہ کو تو مچھلیاں نہیں پکڑتے، بلکہ اتوار کو پکڑتے ہیں۔ اس پر قوم تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ وہ تھا جو اس جرم کا ارتکاب کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو اگرچہ اس جرم میں ملوث نہیں تھے اور اس کام کو غلط بھی سمجھتے تھے، لیکن وہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو روک ٹوک کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ گویا نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دے رہے تھے۔ تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جو اللہ کے فضل و کرم سے خود بھی اس نافرمانی سے بچے ہوئے تھے اور جو لوگ یہ غلط روش اختیار کیے ہوئے تھے انہیں وہ روکتے ٹوکتے بھی تھے۔ اس سے پہلی آیت نمبر (۱۶۴) میں ان میں سے دوسری قسم کے لوگوں کا قول بیان ہوا ہے: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا "کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو اب ان کو ہلاک کر کے رہے گا، یہ قوم اب باز آنے والی نہیں ہے، تم خواہ مخواہ انہیں روکنے کی کوشش میں اپنے آپ کو کیوں ہلکان کر رہے ہو؟ کیوں ان کے پیچھے لگے ہوتے ہو اور اپنی توانائیاں ضائع کر رہے ہو؟ ان کا جواب تھا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ "تمہارے رب کے حضور عذر پیش کرنے کی غرض سے اور شاید کہ وہ تقویٰ کی روش اختیار کر ہی لیں!" یعنی ہم تو اپنا نہی

عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے کیونکہ ہمیں تو اللہ کے حضور معذرت پیش کرنی ہے کہ اے اللہ ہم تو انہیں آخری وقت تک روکتے رہے ہم اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ اور پھر کیا عجب کہ ہمارے سمجھانے سے اللہ کسی کے دل میں تقویٰ پیدا کر دے اور اسے اپنا طرزِ عمل بدلنے کی توفیق عطا فرما دے! اب اس کے بعد فرمایا گیا: فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ ——— "تو جب انہوں نے نظر انداز کر دیا اس ساری نصیحت کو جو انہیں کی جا رہی تھی" ان تک جو بھی نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا تھا، اس سے ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ ——— "ہم نے بچا لیا ان لوگوں کو جو برائی سے روکتے رہے تھے" وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ "اور جو لوگ ظلم کی روش اختیار کیے ہوئے تھے انہیں ہم نے ایک بہت بُرے عذاب میں پکڑ لیا بسبب اس کے کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا تھے"!

قرآنِ حکیم کے یہ دو مقامات ہیں جن کی رُو سے عذابِ الٰہی سے نجات کی ضمانت صرف اُن لوگوں کو ملتی ہے جو نہی عن المنکر کا فریضہ آخری وقت تک سرانجام دیتے رہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کا اثر ہو یا نہ ہو، لوگ مانیں یا نہ مانیں!!

آخر میں اسی مضمون سے متعلق ایک حدیث کا مطالعہ کر لیجیے۔

اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ وہ حذیفہؓ ہیں جو "صاحب سِرِّ النبیؐ" (نبیؐ کے رازدان) کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر انہیں بعض افراد کے بارے میں نام بنام بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ حذیفہ یہ میرا ایک راز ہے، اسے کسی کو بتانا نہیں! اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے نفاق کا پردہ چاک نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ عبد اللہ ابن اُبَی کی نمازہ جنازہ بھی پڑھا دی جو کہ منافقین کا سردار تھا۔ میرے دروس میں یہ مضمون بڑی تفصیل سے آچکا ہے کہ اسلامی ریاست میں  بس دو ہی ہیں ——— مسلم اور غیر مسلم۔ باقی رہے منافق تو وہ قانونی طور پر مسلمان ہی شمار ہوتے ہیں۔ بہر حال حضورؐ نے

چونکہ انہیں ایک راز کے طور پر منافقین کے نام بتا دیئے تھے اس لیے ان کا نام صاحب سر النبی ؐ پڑ گیا تھا اور یہاں یہ بھی نوٹ کیجیے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا تھا: "اے حذیفہؓ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھ رہا ہوں، کہیں میرا نام تو ان میں نہیں تھا؟" اپنے ایمان کے بارے میں اس درجے احساس تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، کہ کہیں اس دولتِ ایمان پر نفاق کا ڈاکہ نہ پڑ جائے! اور ہم اس درجے بے پرواہیں کہ ہمیں اس کا کوئی اندیشہ نہیں، ہمیں تو اپنے مومنِ حقیقی ہونے پر مکمل یقین حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاحِ احوال کی توفیق عطا فرمائے!

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:

حضرت حذیفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ

تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا

أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ

ورنہ پھر اس کا شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی جانب سے ایک بڑا شدید عذاب بھیجے گا

ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ

پھر تم اسے پکارو گے، لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ

اسے روایت کیا امام ترمذیؒ نے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ذرا اپنے حالات کا جائزہ لیجیے۔ آج اس کا کیا سبب ہے کہ ہم اللہ کے حضور دعائیں کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں لیکن فتنے ہیں کہ پھیلتے ہی جا رہے ہیں، فساد کی آگ بڑھتی ہی جا رہی ہے، امن و امان ختم ہو چکا ہے، رات کا چین اور دن کا اطمینان رخصت

ہو چکا ہے' بالفاظِ قرآنی: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ "بحر و بر میں فساد پھیل چکا ہے" لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت ہے اور نہ ہی ہمیں اس کی فکر ہے کہ اس عذاب سے بچنے کا راستہ کون سا ہے!!

آج کے درس کا حاصل یہ ہے کہ اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے نہی عن المنکر! اس کا کم سے کم درجہ جسے اختیار کرنا دنیاوی عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے وہ 'باللسان' ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جدوجہد کی جائے اور ایسی جمعیت اور قوت فراہم کی جائے جو نہی عن المنکر بالید کا فریضہ سر انجام دے سکے۔ یہی دو کام ہیں جو ہم اللہ کی تائید و توفیق سے کر رہے ہیں۔ انجمن خدام القرآن کی سطح پر قرآن کی یہ دعوت و تبلیغ، تعلیم و تعلم اور نشر و اشاعت ـــــ اور پھر تنظیمِ اسلامی کے نام سے ایک قوت فراہم کرنے کی کوشش! اللہ تعالیٰ کو جیسے کچھ منظور ہوگا، جب منظور ہوگا، اس کے نتائج ظاہر ہو جائیں گے۔ ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم "قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ" کے مصداق اللہ کی جناب میں ایک معذرت پیش کرنے کے قابل ہو جائیں اور پھر کیا معلوم کہ کب اللہ تعالیٰ کسے توفیق عطا فرما دیں۔ کل کی کسے خبر ہے ؟ کون کہہ سکتا تھا کہ عمرؓ جو اپنے گھر سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے چلا تھا، وہ ان کی خدمت میں اپنی تلوار اپنے گلے میں لٹکا کر حاضر ہو جائے گا، جیسے غلام لٹکایا کرتے تھے۔ حالات کو بدلتے ہوئے اللہ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنا کام کرتے رہنا چاہیے۔ اور اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہرگز کسی غفلت یا تساہل کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔ آج ہم نے جن آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ کا مطالعہ کیا ہے' ان سب کے متن پر مشتمل ایک ڈوورقہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ کو دوبارہ پڑھیے' اسے حرزِ جان بنائیے اور اس سے آپ پر جو بھی حقیقت منکشف ہو اس پر اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق طلب کیجیے!

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

ضمیمہ

# نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

## علماء و صلحاء کے کرنے کا اصل کام اور عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

المائدہ: آیات ۶۲، ۶۳

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝

المائدہ: آیات ۷۸ تا ۸۱

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

ھود: آیت ۱۱۶

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

الاعراف: آیت ۱۶۵

عن أبی سعید الخُدْرِیّ رضی اللہ عنه قال سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقولُ: «مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» رواه مسلم.

عن ابن مسعود رضی اللہ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: «مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ» رواه مسلم.

عَن ابن مَسْعُودٍ رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُولُ: يَا هٰذَا اتَّقِ اللهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلَى حَالِهِ فَلَا يَمْنَعُهُ ذٰلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ فَلَمَّا فَعَلُوا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ، ثُمَّ قَالَ: ﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ﴾ إلى قوله ﴿فَاسِقُونَ﴾ ثُمَّ قَالَ: «كَلَّا وَاللهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطِرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللهُ بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ» رواه أبو داود، والترمذى وقال: حديث حسن. هذا لفظ أبي داود، وَلَفظ الترمذى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَمَّا وَقَعَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ فِى الْمَعَاصِي نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوا فَجَالَسُوهُمْ فِى مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ فَضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ وَلَعَنَهُمْ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ، فَجَلَسَ رسول الله صلى الله عليه وسلم وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ: لَا وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ حَتّٰى تَأْطِرُوهُمْ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا. قَوْلُهُ «تَأْطِرُوهم»: أى تَعْطِفُوهُمْ. «وَلَتَقْصُرُنَّهُ»: أَىْ لَتَحْبِسُنَّهُ..»

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بنی اسرائیل میں جو اولین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے

سے ملاقات پر کہتا تھا: "اے فلاں، اللہ سے ڈرو، اور جو کام تم کر رہے ہو اسے چھوڑ دو، اس لیے کہ وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے!" لیکن پھر جب ان کی اگلے روز ملاقات ہوتی تھی تو اس کے باوجود کہ وہ شخص اپنی اُسی روش پر قائم ہوتا تھا یہ بات اس پہلے شخص کو اس کے ساتھ کھانے پینے میں شرکت اور مجالست سے نہیں روکتی تھی، تو جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ نے اُن کے دلوں کو بھی باہم مشابہ کر دیا۔" اس کے بعد آپؐ نے آیاتِ قرآنی (سورۃ مائدہ ۷۸ تا ۸۱) "لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے فَاسِقُوْنَ" تک تلاوت فرمائیں اور پھر فرمایا: "ہرگز نہیں! خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہو گا اور بدی سے روکنا ہو گا اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہو گا، اور اسے جبراً حق کی جانب موڑنا اور اس پر قائم رکھنا ہو گا ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مانند کر دے گا اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت فرمائے گا جیسے اُن پر کی تھی!" اس حدیث کو روایت کیا امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے۔ متذکرہ بالا الفاظ روایتِ ابی داؤدؒ کے ہیں۔ روایتِ ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو (ابتدا میں) اُن کے علماء نے اُن کو ان سے روکا لیکن جب وہ باز نہ آئے اور (اس کے باوجود) انہوں نے اُن کی ہم نشینی اور باہم کھانا پینا جاری رکھا تو اللہ نے ان کے دل بھی باہم مشابہ کر دیئے اور پھر ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت فرمائی اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔" اس کے بعد آنحضور اُٹھ کر بیٹھ گئے دراں حالیکہ اس سے قبل آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور پھر آپؐ نے فرمایا: "نہیں، اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب تک تم اُن کو حق کی جانب موڑ نہ دو گے (تمہاری ذمہ داری ادا نہ ہو گی)" امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے!

■

عَنْ حُذَيْفَةَ رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:
« وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَاباً مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ »
رواه الترمذى وقال: حديث حسن

# امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

## باہم لازم و ملزوم

### ایک گاڑی کے دو پہیے یا ایک ہی تصویر کے دو رُخ

---

**(۱) شانِ باری تعالٰے** ——— النحل ۹۰

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ

**(۲) تقاضائے فطرت و حکمت** ——— لقمٰن ۱۷

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۝

**(۳) شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم** ——— الاعراف ۱۵۷

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ

**(۴) شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم** ——— التوبہ ۷۱

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

**(۵) کیفیتِ منافقین** ——— التوبہ ۶۷

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُھُمْ مِّنْ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْکَرِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ

**(۶) اُمّت کا فرضِ منصبی** ——— اٰل عمران ۱۱۰

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ

**(۷) اُمّتِ مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کا نقطۂ عروج** ——— اٰل عمران ۱۰۲ تا ۱۰۴

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۝ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

**(۸) اصحابِ اقتدار کا فرضِ عین** ——— الحج ۴۱

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۝

**(۹) سرفروش اور جانباز اہلِ ایمان کے اوصاف کا ذروۂ سنام** ——— التوبہ ۱۱۱ تا ۱۱۲

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۝